دربارِ دل
عمیرہ احمد

فہرست

نمبر شمار		صفحہ
1-	دربارِ دل	11
2-	عورت مرد اور میں	165

پیش لفظ

دربارِ دل ان چند سوالوں کا جواب دینے کی ایک کوشش ہے جو ہر وقت ہم سب کے ذہنوں کا احاطہ کیے رہتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی غلطی سے شروع ہونے والی یہ کہانی دو کرداروں کے لیے ایک بڑا پچھتاوا بن کر سامنے آتی ہے۔ اور ان کے اس کرب کو محسوس کرنے والے ہم میں سے بہت سے لوگ ہیں جو اپنی تمام زندگی ''آخر اس کام میں اللہ کی کیا مصلحت تھی؟'' کے Pet Sentence کے ساتھ گزارتے ہیں۔ دربارِ دل کو 2004ء میں منعقد ہونے والے PTV کے ڈرامہ فیسٹیول کے لیے بھی منتخب کیا جا چکا ہے۔

''عورت، مرد اور میں'' میری پہلی غیر مطبوعہ تحریر ہے جو کسی ڈائجسٹ میں شائع ہونے کی بجائے پہلی بار ایک کتاب میں شائع ہو رہی ہے۔ اپنی اس تحریر میں میں نے عورت، مرد اور شیطان کی مثلّث اور ان کے باہمی تعلق کو روائتی انداز کی بجائے ایک نئے انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

عمیرہ احمد

پہلا باب

میرے سامنے ڈائننگ ٹیبل پر رکھے ہوئے گلاس میں موجود مشروب یک دم اور سیاہ ہو گیا تھا۔ گلاس کے کناروں پر میری لپ اسٹک کے نشان تھے۔ کوئی اُن نشانوں پر انگلی پھیر کر یا محض ایک نظر ڈال لینے پر یہ اندازہ کر سکتا تھا کہ میرے ہونٹ خوبصورت تھے۔ مشروب میں موجود برف کے کیوبز اب بہت ننھے ننھے سے رہ گئے تھے...... چند لمحوں میں وہ بھی تحلیل ہو جاتے...... اس سیاہ مشروب میں غائب ہو جاتے بالکل اسی طرح جس طرح میں ہو رہی تھی...... ابھی...... اس وقت......

میرے بائیں طرف ٹیبل کے سرے پر بیٹھا قہقہے لگانے والا مرد میرا شوہر تھا...... اور

"وہ" تھا جسے میں نے دنیا میں سب سے زیادہ چاہا تھا...... ہنستے ہوئے اس کا "سفید چہرہ" سرخ ہو رہا تھا...... اور وہ "سفید شرٹ" پہنے ہوئے تھا اور "D&G" کا آفٹر شیو اس کے وجود کو مہکا رہا تھا اور اس کی کلائی میں "Gucci" کی گھڑی تھی اور اس کی پلیٹ میں "فرائیڈ چکن" کا ایک ٹکڑا اور اس کے گلاس میں "لیمن سپرائٹ"...... اور میں...... میں...... میں...... دربارِ دل میں تھی...... کسی نے میری آنکھوں سے پٹی اتار دی تھی مجھے ٹھیک طرح سے دیکھنے کے لیے آنکھیں جھپکنا بھی نہیں پڑا...... سب کچھ نظر آ رہا تھا...... صاف نظر آ رہا تھا۔

مگر میری بینائی کو واپس آنے میں بہت دیر لگ گئی تھی اتنی دیر کہ اب سامنے نظر آنے والے منظر پر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا...... خود اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لینے پر بھی میرا ذہن یہ سب کچھ تسلیم کرنے سے انکار کر رہا تھا...... ذہن جو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا آنکھیں اور دل نہیں مان رہا تھا...... اور آنکھیں جو کچھ دکھانے کی کوشش کر رہی تھیں...... ذہن اس پر یقین نہیں لا رہا تھا۔

مجھے اپنا وجود یک دم برف کا بت بنتا محسوس ہوا تھا یا پھر کانچ کا مجسمہ...... جو انگلی کی ہلکی سی ضرب سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا...... یوں ڈھے جاتا جیسے وہ کبھی تھا ہی نہیں...... میں نے اپنے ہونٹ بھینچنے کی کوشش کی...... اور میرے ہونٹوں نے میرا ساتھ نہیں دیا ایک عجیب Defiance تھی جو میرے وجود کے ہر عضو میں اتر آئی تھی...... مہر سمیع کا اپنا جسم اس کو Own کرنے سے انکار کر رہا تھا...... وہ کسی اور کے اشارے پر چل رہا تھا...... کسی اور کے اشارے پر؟...... میں، میں پس رہی تھی...... مہر سمیع...... میرا ذہن سب کچھ تسلیم کرنے کی سعی میں مصروف تھا۔

اور مراد...... وہ ہنس رہا تھا...... میرا شوہر...... وہ شخص جسے میں نے سب سے بڑھ کر چاہا تھا...... وہ ہنس رہا تھا۔ اس کی ہنسی میں کانٹوں جیسی چبھن تھی...... وہ مجھ پر ہنس رہا تھا...... اور پھر میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑے چھری اور کانٹے کو بھی یک دم ہنستے دیکھا...... پھر ٹیبل پر میرے سامنے پڑی میری ڈنر پلیٹ...... پھر میرا گلاس...... باری باری سب ہنسنے لگے تھے اور پھر میز پر پڑی ہر شے...... ہر چیز...... ڈشز، پلیٹیں، چمچ، کانٹے، چھریاں، ڈونگے، گلاسز...... سب اس کورس میں شامل ہو گئے تھے...... پھر ٹیبل، کرسیاں، ڈیکوریشن پیسز، دیوار پر لگی

Paintings، لائٹس، پردے، فرنیچر، ڈرائنگ روم اور ڈائننگ کی ہر شے قہقہے لگانے لگی تھی۔ ان سب کی نظریں مجھ پر تھیں اور ان سب کی انگلیاں بھی مجھی پر اٹھی ہوئی تھیں...... وہاں کمرے میں موجود ہر شے کا جیسے ایک چہرہ اُگ آیا تھا اور ہر چہرے کی نظریں مجھ پر تھیں...... اور میں...... میں انھیں دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

میرے ہاتھ سے کانٹا پلیٹ میں گرا...... مراد نے مجھے چونک کر دیکھا۔ "کیا ہوا؟"...... "تم نے کھانا کیوں چھوڑ دیا؟" مراد نے مجھ سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

"اور انسان شر کو اس طرح مانگتا ہے جس طرح خیر کو بے شک انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔" سورۃ بنی اسرائیل پارہ 15۔

"بھابھی کیا ہوا؟" یہ مونس تھا...... میرے شوہر کا بہترین دوست...... "آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ بھی مراد کی تشویش میں شامل تھا۔ میں نے اس کے چہرے کو دیکھا...... اس کے نام کو دل میں دہرایا...... مونس...... مومی...... بے یقینی تھی کہ بھنور کی طرح مجھے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی اور میں بے بسی سے اس کی گرفت سے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"پریکٹیکل جوک" کسی نے میرے سر پر کچھ مارا۔ "500 روپے" ایک دوسری آواز نے سرگوشی کی۔ "1000 روپے" آوازیں تھیں کہ بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔ میں نے سانس لینے کی کوشش کی...... میں نے آوازوں کی بازگشت سے فرار ہونے کے لیے کوشش کی۔

"کیا بات ہے مہر؟" وہ پھر مراد تھا۔ اس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا مگر میرے ہاتھ نے اس کے ہاتھ کا لمس محسوس نہیں کیا۔ میں نے اپنے ہاتھ کو دیکھا...... وہ لمس محسوس کیوں نہیں کر رہا تھا...... کیا "وہ" نہیں تھا؟...... "یا میں" نہیں تھی؟

"کھانا کھانا کیوں بند کر دیا؟" وہ پوچھ رہا تھا...... "میں کیوں کھا رہی تھی؟" میں سوچ رہی تھی۔ "اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟" اسے میری نظریں عجیب لگیں۔ "اس طرح کیا دیکھ رہی تھی؟" میں نے سوچا...... وہ تو کبھی بھی چہرہ نہیں تھا میرے لیے...... صرف آواز تھی...... پھر میں چہرے کو کیوں دیکھ رہی تھی؟...... کیا دیکھ رہی تھی؟...... جب آوازیں چہروں

میں تبدیل ہوتی ہیں تو کیا وہ سب کو اسی طرح بھیانک لگتی ہیں۔ جیسے مجھے لگ رہی تھی...... یا پھر یہ سب صرف میرے ساتھ ہی ہوا تھا...... میرے ساتھ ہی ہونا تھا؟......

''مہر کیا سوچ رہی ہو؟'' آواز نے ایک بار پھر کہا......نہیں چہرے نے ایک بار پھر کہا...... ہاں۔ یہ وہی تو تھا...... وہی آواز...... پھر آخر میں نے اسے Illusion کیوں سمجھا؟......کیوں جانا؟...... میں نے اس کے ہاتھ کے نیچے سے اپنے ہاتھ کو کھینچا...... میں اس کی نہیں تھی۔ میں کسی اور کی تھی......کس کی؟...... میں نے دل کو ٹٹولا۔

''آیئے مہر سمیع...... آپ بھی آیئے۔'' دل نے مجھے خوش آمدید کہا۔ ''دیکھئے آپ نے کیا پایا ہے؟'' وہ مسکرا رہا تھا ''جو پایا ہے...... وہ کھرا ہے یا کھوٹا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ ''کھرا ہے تو کیا دام دیے ہیں؟'' اس کا لہجہ عجیب تھا۔ ''کھوٹا ہے...... تو کیا کھویا ہے؟'' میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔

میں دربارِ دل میں تھی...... دل بادشاہ کے حضور...... ''دیکھئے انجام محبت...... اور کہیے آپ کہاں ہیں؟'' وہ تمسخر سے کہہ رہا تھا۔ ''کیا محسوس کر رہی ہیں؟...... کیا کہنا چاہتی ہیں؟'' کچھ کہہ پائیں گی؟...... اب بھی؟...... ابھی بھی......؟ دل نے ہنس کر مجھ سے کہا تھا...... اور پھر میرے وجود سے اپنی زنجیریں ہٹا دی تھیں میں دل کی گرفت سے آزاد ہوگئی تھی...... اتنے سالوں میں پہلی بار بوجھ ہٹا تھا...... یا بوجھ بڑھا تھا؟

''جایئے آپ کو آزاد کرتے ہیں...... انجام محبت دیکھ لینے والے دربارِ دل میں کیا ٹھہریں گے؟ وہ کہہ رہا تھا۔ ''جایئے۔'' مگر میں کہاں جاتی...... اب...... اب...... کہاں؟ اتنا بڑا دھوکہ کھا کے؟ ''میں نے دھوکہ نہیں دیا آپ کو...... میں نے تو صرف فریب دیا تھا۔'' وہ ہنسا۔ ''دھوکہ تو آپ نے خود کھایا ہے۔'' اس کے ماتھے پر یک دم بل آئے...... میں نے خود کو دربارِ دل سے باہر پایا۔

''آئی ایم سوری بھابھی......'' یہ مونس تھا۔ ''اگر میری باتوں سے آپ کو تکلیف پہنچی ہے تو۔'' مونس نے جیسے میری حالت کو Assess کرتے ہوئے نتیجہ نکالا تھا۔

''تکلیف پہنچی ہو تو؟'' میں نے سوچا۔ ''کیا مجھے تکلیف پہنچی تھی؟'' میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ تکلیف؟...... یہ تکلیف کیا ہوتی ہے؟...... کیا یہ تکلیف تھی جو میں محسوس کر

رہی تھی؟...... یا پھر بے عزتی تھی؟...... یا پھر یہ پچھتاوا تھا؟...... یا کوئی احساسِ زیاں تھا؟...... یا یہ کچھ اور تھا؟...... کچھ اور جس کو میں نام نہیں دے پا رہی تھی۔ جس کو کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ ''مجھے اس موضوع پر بات کرنی نہیں چاہیے تھی۔'' مونس وضاحت کر رہا تھا۔ ''مجھے اصل میں اندازہ نہیں تھا کہ آپ کو اتنا برا لگے گا ورنہ میں بات کرتے ہوئے محتاط رہتا۔'' ''نہیں نہیں یار تم نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ تمہیں ایکسکیوز کرنی پڑے۔'' مراد نے مونس کو ٹوکا تھا، وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ''معذرت مونس کو نہیں کرنی چاہیے تھی...... وہ کسی اور کو کرنی چاہیے تھی...... میرے شوہر کو...... مراد کو...... موی کو...... یا پھر شاید مجھے۔

''مہر سمجھ دار لڑکی ہے وہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہوتی ہے نہ برا مانتی ہے۔'' مراد مونس کو تسلی دے رہا تھا۔ ''چھوٹی چھوٹی باتیں؟'' میں نے اس کے الفاظ سنے۔ اس کے نزدیک ہر بات ہمیشہ چھوٹی چھوٹی ہوتی ہے...... ہر بار...... ہر بات...... اور میں...... میں کہاں کی سمجھ دار تھی...... میں تو......

میں نے کرسی چھوڑ دی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی...... مراد کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر...... چپ چاپ...... میں نے ایک بار بھی اسے دیکھتے ہوئے پلک نہیں جھپکی تھی...... میں نے دیکھا ہی پہلی بار تھا اسے...... ایک سال میں پہلی بار میں نے اس چہرے کو دیکھا تھا...... اس سے جس سے مجھے عشق تھا...... نہیں عشق نہیں تھا کچھ اور تھا...... عشق انسان سے خدا نہیں چھڑواتا...... میں نے چھوڑا تھا...... تو پھر کیا یہ عشق تھا؟...... اگر عشق نہیں تھا تو پھر کیا تھا؟'' اور انسان شر کو اس طرح مانگتا ہے جیسے خیر کو...... اور بے شک انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔''

''مہر...... مہر...... رکو...... کہاں جا رہی ہو؟'' وہ مجھے پیچھے سے آوازیں دے رہا تھا...... وہ جو میرا کچھ بھی نہیں تھا...... اور میں...... میں اگر پیچھے مڑ کر دیکھ لیتی تو ایک بار پھر پتھر کی ہو جاتی جیسے چار سال سے پتھر کی ہوگئی تھی۔

''بھابھی ناراض ہوگئی ہیں مراد...... ہمیں یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' مونس کہہ رہا تھا۔ ''وہ ناراض نہیں ہوتی...... تم کھانا کھاؤ...... میری اور اس کی بہت اچھی انڈرسٹینڈنگ ہے میں اسے منا لوں گا۔''

وہ آخری جملہ تھا جو میں نے سنا تھا اس کے بعد میں ڈائننگ روم سے باہر نکل آئی......اور میں نے پہلی بار لاؤنج کو دیکھا...... میں اس گھر میں پچھلے ایک سال سے رہ رہی تھی مگر میں نے ایک سال میں پہلی بار اس جگہ کو دیکھنے کی کوشش کی جو میرا گھر تھی اور میں اسے پہچان نہیں پائی...... میں وہاں کیوں تھی؟...... کیا تعلق تھا میرا اس گھر سے؟ میرا ذہن جیسے ماؤف ہو گیا تھا...... کسی سوال کا جواب نہیں دے پا رہا تھا اور میں...... میں چہروں کی شناخت کھو رہی تھی...... یا پھر شاید پہلی بار کر رہی تھی۔

پھر لاؤنج سے گزرتے ہوئے میں نے اپنے عکس کو آئینے میں دیکھا اور میں اسے بھی پہچان نہیں پائی...... وہ کون تھی جو آئینے میں تھی...... وہ میں تو نہیں ہو سکتی تھی۔ میں...... مہر سمیع تو کوئی اور تھی...... اور جو وہاں میرے سامنے آئینے میں تھی وہ کون تھی...... ساڑھی میں ملبوس...... کٹے ہوئے Streaked بال...... زیورات سے لدا پھندا وجود میک اَپ سے لتھڑا چہرہ...... کیوٹکس لگے لمبے ناخن...... سلیولیس بلاؤز سے جھلکتے عُریاں بازو...... مہر سمیع تو...... میں نے بے یقینی سے آئینے کو دیکھا...... پھر اپنے ناخنوں کو...... پھر اپنے ہونٹوں پر لگی لپ اسٹک کو پوروں سے چھوا...... یہ سب کچھ کس وقت ہو گیا تھا؟...... بے یقینی سی بے یقینی تھی...... میں مہر سمیع تھی؟...... مگر آئینے میں نظر آنے والا وجود کسی اور کا تھا...... مگر آئینے کے سامنے میں تھی...... مہر سمیع...... تو پھر آئینے کے اندر کون تھا؟...... کیا مہر سمیع؟...... کوئی بھیانک خواب تھا جو ختم ہو گیا تھا یا پھر خواب شروع ہوا تھا؟

دوسرا باب

"اے اللہ آپ کے فضل اور مہربانیوں کی کوئی کمی نہیں...... میں قدم قدم پر آپ کو احسان کرتا ہوا پاتی ہوں، مجھ سے آپ کی مہربانیوں کا شکر ادا نہیں ہو پاتا...... میری اس کمی کو درگزر فرما...... مجھے ہر درد اور تکلیف سے محفوظ رکھ...... میرے دل کے سکون اور میری خوشیوں کی حفاظت فرما۔"

تاریکی میں میں موم بتیاں جلائے بغیر بھی اس جگہ پر پہنچ سکتی تھی جہاں امی نماز پڑھنے کے بعد دعا کر رہی تھیں...... میں بچپن سے یہ دعا سنتی آ رہی تھی...... اور بچپن سے امی کو لاؤنج میں اسی جگہ پر نماز ادا کرتے دیکھتی آ رہی تھی کہ اب اگر مجھے آنکھیں بند کر کے گھر میں

کسی بھی جگہ کھڑا کر دیا جاتا تو میں صرف امی کی آواز کے سہارے کسی چیز کو چھوئے بغیر مقناطیس کی طرح اس جگہ پہنچ جاتی جہاں وہ نماز ادا کرتی تھیں...... وہ جائے نماز جیسے میرے وجود کے لیے لوہا تھا یا پھر مقناطیس جو مجھے کھینچتا تھا...... اور وہ جائے نماز واحد جگہ نہیں تھی جہاں میں آنکھیں بند کیے پہنچ سکتی تھی...... گھر میں دوسری جگہ کچن کی وہ کیبنٹ تھی جہاں موم بتیاں ہوتی تھیں اور میں تاریکی میں بھی اس کیبنٹ کو کھول کر بغیر ٹٹولے باری باری ساری موم بتیاں نکال سکتی تھی...... بغیر انھیں الٹا سیدھا کیے، بغیر انھیں گرائے...... اور پھر ماچس کی تیلی سے ان کو روشن کرنے کے لیے بھی مجھے کسی جدوجہد کی ضرورت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ میں دیکھے بغیر ماچس کھولتی...... ٹٹولے بغیر تیلی نکالتی اور کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اسے ٹیڑھا کر کے رگڑتی، مجھے کبھی دوسری کوشش نہیں کرنی پڑی تھی...... پہلی بار میں ہی میں اندھیرے کو روشن کر دیا کرتی تھی...... تب ''روشنی'' جیسے ''میری مٹھی'' میں تھی......

اور کبھی اگر ایسا ہوتا کہ امی نماز پڑھ رہی ہوتیں اور بجلی چلی جاتی تو میں ہر ٹارچ ہر بیٹری کو چھوڑ کر صرف ان موم بتیوں کے پاس ہی جاتی تھی، انھیں روشن کرتی اور امی کے پاس لے آتی...... روشنی، جائے نماز، دعا اور...... خدا، گھر کے اس ایک کونے میں سب کچھ تھا۔

خدا سے میرا پہلا تعارف میری ماں نے کروایا تھا...... تب میں کتنے سال کی تھی؟...... یاد نہیں...... ہاں مجھے یہ ضرور یاد ہے کہ میں بڑی لگن کے ساتھ خدا کو یاد کرتی تھی اور اس سے دعا مانگا کرتی تھی...... چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے...... آج بابا گھر جلدی آ جائیں...... آج بابا مجھے سیر کے لیے لے جائیں...... آج میں بیمار ہو جاؤں تاکہ مجھے سکول نہ جانا پڑے...... آج امی مجھے آئس کریم کھلا دیں...... آج بابا میری پاکٹ منی بڑھا دیں...... آج امی ناشتہ کی ٹیبل پر مجھے دودھ کا گلاس پینے کے لیے نہ دیں...... بابا مجھے سکول کے ٹرپ کے ساتھ باہر جانے دیں...... آج **Teacher** میرے ہوم ورک پر سٹار دیں...... آج میں سکول میں ہونے والی ریس میں جیت جاؤں...... آج بابا ہمیں ماموں کے گھر لے جائیں...... آج میری دوست مجھ سے ناراضگی ختم کر لے......

مجھے یاد نہیں تب میری کتنی خواہشات کے پورا ہونے میں دعا کا عمل دخل تھا مگر مجھے یہ ضرور یاد ہے کہ ہر بار دعا قبول نہ ہونے پر میں امی سے شکایت ضرور کیا کرتی تھی۔

''اللہ نے میری دعا قبول کیوں نہیں کی؟'' میں شکایت لے کر امی کے پاس جاتی۔

وہ مسکرا دیتیں۔

''کیا دعا کی ہے تم نے؟'' وہ مجھ سے پوچھتیں۔

''میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ میں فرسٹ آؤں۔'' میں بڑے دکھ سے بتانا شروع کرتی۔

''مگر دیکھیں میں فرسٹ نہیں آئی میں سیکنڈ آئی ہوں۔'' میں انھیں اپنا رزلٹ کارڈ تھماتے ہوئے کہتی۔

''مگر سیکنڈ تو آئی ہو...... پوزیشن تو آئی ہے۔'' وہ میرا رزلٹ کارڈ دیکھتے ہوئے کہتیں۔

''مگر میں نے سیکنڈ آنے کے لیے تو دعا نہیں کی...... حالانکہ آپ کہتی تھیں کہ وہ ہمیشہ دعا قبول کرتے ہیں۔'' میں اصرار کرتی۔

''آخر انھوں نے میری دعا کیوں قبول نہیں کی؟...... کیا وہ **Busy** تھے اس وقت؟......''

امی ہنس دیتیں۔ ''وہ تو ہر وقت **Busy** ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہر وقت لوگوں کی دعائیں قبول کر رہے ہوتے ہیں'' وہ بتاتیں۔

''مگر میری دعا؟'' میری سوئی ایک ہی جگہ اٹکی ہوتی۔

''ہو سکتا ہے تم نے دل سے دعا نہ کی ہو۔'' امی یک دم کچھ سنجیدہ ہو کر کہتیں۔ میں حیرانگی سے امی کو دیکھتی۔

''یہ دل سے دعا کیسے مانگتے ہیں؟ میں سوچ میں پڑ جاتی۔ مجھے امی کی بات عجیب لگتی تھی...... دل سے دعا...... میں اتنی کم عمر تھی کہ دل اور زبان کے فرق کو نہیں سمجھتی تھی اور مجھے یہ تشویش بھی ہوتی تھی کہ میں واقعی صرف زبان سے بول بول کر دعا مانگا کرتی تھی...... تو پھر کیا دعا مانگنے کا طریقہ کوئی اور تھا؟...... کوئی ایسا طریقہ جس سے دعائیں واقعی قبول ہو جاتی تھیں۔

مجھے تجسس ہوتا اور میں اپنی سیکنڈ پوزیشن کو بھول جاتی۔

''دل سے دعا اس طرح مانگتے ہیں کہ انسان ہر وقت صرف وہی ایک چیز مانگے جو

اسے چاہیے ہو۔'' امی مجھے بڑی سنجیدگی سے بتانا شروع کرتیں۔

''اور اگر ایک سے زیادہ چیزیں چاہیے ہوں؟'' مجھے یک دم اُلجھن ہوتی۔

''مگر ایک وقت میں تو کوئی ایک ہی چیز بہت زیادہ چاہیے ہوتی ہے...... دوسری کسی بھی چیز سے زیادہ۔'' امی کہتیں۔

''کوئی ایسی چیز یا دعا جس کے آگے باقی تمام چیزیں اور دعائیں غیر ضروری لگیں۔'' امی کہہ رہی تھیں۔

''پھر'' میں جلدی سے پوچھتی ''اور دعا کرتے ہوئے ذہن میں کوئی دوسری چیز نہیں آنی چاہیے......کوئی بھی دوسری چیز۔'' امی مجھے سمجھاتیں اور میں سمجھ جاتی۔

اگلے کئی گھنٹے میں امی کی باتوں کے بارے میں سوچتی رہتی۔ ''واقعی میری دعا کیسے قبول ہوسکتی تھی...... میں تو دعا مانگتے ہوئے ساتھ اور بہت سی چیزوں کے بارے میں سوچتی رہتی تھی...... دوستوں کے بارے میں...... امی اور بابا کے بارے میں...... اپنے کھلونوں کے بارے میں...... سکول کے بارے میں...... اپنی کتابوں کے بارے میں...... اپنے گھر کے بارے میں......سوچنے کے لیے چیزوں کا ایک انبار......ایک جمِ غفیر ہوتا تھا اس وقت میرے پاس۔

''ٹھیک ہے اگلی ٹرم میں میں دل سے دعا مانگوں گی صرف زبان سے نہیں۔'' میں امی کی وضاحت سے مطمئن ہوتے ہوئے طے کرتی۔

اگلی ٹرم میں میں ساری دعاؤں کے باوجود سیکنڈ بھی نہیں آئی...... میری تھرڈ پوزیشن تھی اور میں بے حد خفا۔

''مگر اس بار تو میں نے دل سے دعا مانگی تھی۔'' میں ایک بار پھر امی سے شکایت کرتی۔ ''ہوسکتا ہے اس بار کسی اور نے تم سے زیادہ دل سے اللہ سے دعا مانگی ہو۔'' امی کہتی۔ میں ناراض ہوتی۔ ''یہ کیا بات ہوئی؟'' مجھے امی کی بات کی سمجھ نہیں آئی۔ ''کیا اب اللہ بھی دعاؤں کا Competition کروایا کریں گے؟'' میں پوچھتی۔ ''آپ تو کہتی ہیں کہ وہ ہر ایک کی دعا قبول کرتے ہیں۔'' میری ناراضگی میں اور اضافہ ہوتا۔

''لیکن اگر ایک چیز ایک ہی وقت میں دو لوگ مانگ رہے ہوں تو پھر یہ تو طے کرنا پڑے گا کہ کس کی دعا قبول کرنی چاہیے اور کس کی نہیں۔'' امی مجھے سمجھاتی۔ مجھے اس بار امی کی

فلاسفی سمجھ میں نہیں آئی۔ میرے نزدیک ایک چیز دو لوگوں کے مانگنے کا مطلب تھا کہ اللہ مجھے اور دوسری لڑکی دونوں کو فرسٹ پوزیشن دلوا دیتے اور بس...... بات ختم......مگر اس وقت مجھے اندازہ نہیں تھا کہ زندگی میں ہر چیز دو لوگوں میں برابر بانٹی جاسکتی ہے نہ ہر جگہ دو لوگوں کی جگہ ہوتی ہے۔

''ہوسکتا ہے فرسٹ آنے والی لڑکی نے تم سے زیادہ دعا مانگی ہو۔'' امی اپنی بات کو جاری رکھتیں۔ ''ہوسکتا ہے اس نے تم سے زیادہ اچھی طرح دعا مانگی ہو۔'' امی کہتی جاتیں۔ میں ان کی بات سے متفق نہ ہونے کے باوجود ان کی بات سنتی رہتی۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ کوئی دوسری لڑکی مجھ سے زیادہ اچھی دعا مانگ سکے۔ میں خفگی سے سوچتی۔ اور یہ بھی کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ دوسری لڑکی ہر وقت ہی دعا مانگتی رہی ہو۔ میں اس پوائنٹ پر بھی متفق نہیں تھی۔ مگر پھر یہ کیسے ہوگیا کہ میں فرسٹ نہیں آئی اور وہ دوسری لڑکی فرسٹ آ گئی۔ مجھے یہ حقیقت الجھاتی۔

''اچھا ٹھیک ہے اگلی بار میں اس سے بھی زیادہ دل کے ساتھ دعا کروں گی۔'' میں ایک بار پھر سے پہلے کی طرح طے کرتی۔

میں نے زندگی میں دعا کرنا اسی طرح سیکھا تھا اور مجھے یقین تھا کہ مجھے دعا کرنا آ گیا تھا......اور وقت کے ساتھ ساتھ میری دعا میں اثر بھی آ گیا تھا...... کم از کم مجھے تو اس وقت یہی لگتا تھا...... اور صرف مجھ کو نہیں اور بھی بہت سے لوگوں کو...... اور جس شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کی دعا میں اثر ہے اس کے پاؤں پھر زمین پر کہاں ٹکتے ہیں۔ میرے پاؤں بھی زمین پر ٹک نہیں رہے تھے۔

تیسرا باب

''میں محبت پر یقین ہی نہیں کرتی تو محبت کرنے کا سوال کہاں سے اٹھتا ہے؟''
میں نے صوبیہ سے کہا

''تو یہ ساری دنیا پاگل ہے جو محبت کے بارے میں لکھ لکھ کر اور بول بول کر اپنا دماغ ضائع کر رہی ہے؟''

''ساری دنیا صرف لڑکے اور لڑکی کے درمیان والی محبت کی بات نہیں کرتی۔'' میں نے اس کی جھنجھلاہٹ کو انجوائے کرتے ہوئے کہا۔

''تو یہ جو سسّی پنوں، مرزا صاحباں، رومیو جولیٹ، ہیر رانجھا...... یہ سب لوگ

تھے...... یہ کیا تھے؟''

''پتہ نہیں کیا تھے مگر جو کام یہ کر رہے تھے وہ غلط تھا...... غلط نہ ہوتا تو ان کا اتنا برا انجام نہ ہوتا جتنا ہوا تھا۔'' دوسری طرف سے صوبیہ کم از کم ایک منٹ کچھ بول نہیں پائی تھی۔ شاید اس نے زندگی میں ان لوگوں کو ملامت کا نشانہ بنتے ہوئے پہلی بار سنا تھا جن کی محبت کے بارے میں لوگ باتیں کر کر کے مر رہے تھے۔

''مجھے ایک بات بتاؤ؟...... تم زندگی میں کبھی کسی سے محبت نہیں کرو گی؟'' اس نے بالآخر اپنے ہوش و حواس بحال کرتے ہوئے کہا۔

''Never'' میں نے مزے سے کہا۔

''چاہے کوئی مرد تمھیں کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگے؟'' اس نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

''میں مردوں کو کبھی اتنے غور سے دیکھتی ہی نہیں کہ مجھے وہ اچھے لگنے لگیں۔'' میں نے اسے اور چڑایا۔

''فرض کرو تم کسی کا چہرہ نہیں دیکھتی پھر بھی تمھیں اس سے محبت ہو جاتی ہے۔'' وہ سنجیدہ تھی۔

''یہ کیسی محبت ہے جو چہرہ بھی نہیں دیکھتی؟'' میں نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

''محبت واقعی چہرہ بھی نہیں دیکھتی کچھ بھی نہیں دیکھتی...... اگر یہ محبت ہے تو۔'' میں نے بے اختیار جماہی لی۔

''اچھا واقعی پھر؟'' مجھے محبت کے بارے میں ڈسکشن میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور صوبیہ کو اس ڈسکشن کے علاوہ کسی چیز میں دلچسپی نہیں تھی۔

''اب تم یہ مت کہنا کہ اگر تم نے کبھی اس کی آواز بھی نہ سنی ہو...... اس کا نام تک پتہ نہ ہو اور پھر بھی تمھیں محبت ہو جائے تو۔''
میں نے مزید مذاق اڑایا۔

''محبت ایسے بھی ہو سکتی ہے۔'' اس نے اسی انداز میں کہا۔

''تو پھر یہ محبت نہیں تماشہ ہے۔'' میں نے لاپرواہی سے کہا۔

''اور مجھے ایسے کھیل تماشوں میں دلچسپی نہیں ہے۔''

صوبیہ نے میرا چہرہ ناراضگی سے دیکھا۔ ''محبت کے بارے میں تمہارا رویہ ابنارمل ہے۔'' اس نے کہا۔ میں نے ہلکی سی ناراضگی کے ساتھ اسے دیکھا۔

''نہیں محبت کے بارے میں تمہارا رویہ ابنارمل ہے۔''

''محبت ایک حقیقت ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔

''میں نے کب کہا کہ یہ ایک **Myth** ہے؟'' میرا انداز برقرار تھا۔

''پھر تم اس طرح کی باتیں کیوں کر رہی ہو؟'' اس نے جتانے والے انداز میں کہا۔

''کس طرح کی باتیں؟'' میں نے جواباً پوچھا۔

''تم محبت کا مذاق اڑاتی ہو۔''

''نہیں میں محبت کرنے والوں اور ان کی حرکتوں کا مذاق اڑاتی ہوں۔'' میں نے اس کے جملے کی تصحیح کی۔

''تمہارے نزدیک محبت صرف وہ ہے جو انسان اپنے ماں باپ سے کرتا ہے۔'' اس بار صوبیہ کا انداز تمسخر لیے ہوئے تھا۔

''ہاں۔'' میں نے ڈھیٹ بنتے ہوئے کہا۔

''اور جو میں کر رہی ہوں۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

''اور جو تم وقتاً فوقتاً مختلف لوگوں کے ساتھ کرتی ہو...... اسے رومانس کہتے ہیں یا فلرٹ۔'' وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

''ہر آدمی اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ محبت جیسے آفاقی جذبے کو سمجھ سکے اور اسے اپنے دل میں جگہ دے سکے۔'' صوبیہ نے ناراضگی سے کہا۔

''محبت خوش قسمت لوگوں کے لیے ہوتی ہے ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کے لیے نہیں ہوتی۔''

''اچھا؟'' میں مذاق اڑانے والے انداز میں کہتی...... مجھے صوبیہ کی باتوں سے کچھ زیادہ فرق پڑا تھا نہ اثر ہوتا تھا...... میں جانتی تھی کہ لاشعوری اور غیر ارادی طور پر میں اکثر اسے

اپنی باتوں سے **Irritate** کر دیا کرتی تھی اور وہ اپنے ردعمل کا اظہار پھر اسی طرح کے جملوں سے کرتی تھی۔

ان دنوں محبت کے بارے میں میرے خیالات ایسے ہی تھے اور میں ان خیالات کا اظہار کرنے سے چوکتی بھی نہیں تھی...... اور یہ اظہار بہت سے لوگوں کو ناراض کر دیا کرتا تھا...... خاص طور پر وہ لڑکیاں جو محبت کو مقدس گائے سمجھا کرتی تھیں ناراض ہونے والوں میں میری فرینڈز بھی شامل ہوتی تھیں کیونکہ بعض دفعہ انہیں لگتا تھا میں ان کے کردار پر انگلی اٹھا رہی ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا...... میں تو صرف اپنی رائے کا اظہار کرتی تھی وہ بھی تب جب مجھے ایسا کرنے کے لیے کہا جاتا۔

............❀............

''اتنے سالوں بعد تمہاری بیٹی کو دیکھا تو دل خوش ہو گیا۔'' میں آنٹی صفیہ کی بات پر چائے سرو کرتے ہوئے بے اختیار مسکرائی، وہ امی کی بہت اچھی دوست تھیں اور کئی سالوں کے بعد ہمارے گھر آئی تھیں۔

''ماشاء اللہ بہت اچھی تربیت کی ہے تم نے مہر کی۔'' ان کی نظریں مسلسل مجھ پر تھیں اور میں ان نظروں میں اپنے لیے پسندیدگی پا رہی تھی۔

''بس اللہ کا شکر ہے تم بتاؤ مراد کیسا ہے؟'' امی نے جواباً صفیہ آنٹی سے پوچھا۔

''مراد ٹھیک ہے۔'' ''تم اسے بھی ساتھ لے آتی۔''

کیسے لے آتی اس کے پاؤں گھر میں ٹکیں تو کہیں لے کر جاؤں...... ویسے بھی چند ہفتوں تک **Canada** جا رہا ہے **MBA** کرنے آج کل اسی کی تیاریوں میں رہتا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کے بارے میں بتا رہی تھیں۔

''**MBA** کرنے جا رہا ہے ماشاء اللہ اس کا مطلب ہے...... لائق ہے۔'' امی نے بے اختیار مراد کو سراہا۔

''ہاں سٹڈیز میں تو ہمیشہ ہی اچھا رہا ہے...... بس ذرا ویسٹرنائزڈ ہو گیا ہے۔''

''ٹھیک ہو جائے گا صفیہ اس عمر میں سارے لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' امی نے صفیہ آنٹی کو تسلی دی۔

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ اتنے سال کہاں رہی؟" اس سے پہلے کہ امی کچھ اور کہتیں میں بول اٹھی۔

"امی میں کھانے کی تیاری کرتی ہوں وقت ہو رہا ہے۔" "بیٹا پہلے میرے پاس بیٹھو نا۔" صفیہ آنٹی نے کہا۔

"نہیں یہ ٹھیک کہہ رہی ہے واقعی کھانے کا وقت ہو رہا ہے اور اسے اب کھانے کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔" امی نے کہا۔

"مگر سعیدہ میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔" صفیہ آنٹی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اتنے سال بعد تم آئی ہو اور میں تمھیں صرف چائے پر ٹرخا دوں...... یہ ناممکن ہے۔" امی نے کہا۔

"ذرا مہر کے ہاتھ کا کھانا کھانا پھر تمھیں اندازہ ہوگا کہ تم کفران نعمت کر رہی تھی۔" امی نے میری تعریف کی۔ آنٹی صفیہ نے بے اختیار مجھے دیکھا۔

"اگر مہر کے ہاتھ کے کھانے کی بات ہے تو ٹھیک ہے پھر میں کھانا کھا کر ہی جاؤں گی۔" صفیہ آنٹی نے خوش دلی سے کہا۔ میں مسکراتے ہوئے لاؤنج سے باہر آ گئی۔

"مہر دوسری لڑکیوں سے مختلف ہے۔" میں نے وہاں سے نکلتے نکلتے آنٹی صفیہ کا جملہ سنا۔ میں مسکرا دی۔ میں نے یہ جملہ اپنی زندگی میں اتنی بار سنا تھا کہ اب اگر کوئی میرے بارے میں یہ جملہ نہ کہتا تو میں حیران رہ جاتی...... عام لڑکیاں؟...... صوبیہ اور ان جیسی دوسری عام لڑکیاں...... میں جانتی تھی میں ان سب سے مختلف تھی اور مجھے اس مختلف ہونے پر فخر تھا میں دوسری لڑکیوں کی طرح ایسے بہت سے کام نہیں کرتی تھی جو وہ اپنی زندگی کا ضروری حصہ سمجھتی تھیں...... مجھے کنزرویٹو اور نیرو مائنڈڈ کا لیبل اپنے اوپر لگوانے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا تھا...... اگر جسم کو مہذب طریقے سے ڈھانپنا، عبادت کرنا اور ان عادات اور حرکات سے دور رہنا جن سے دور رہنے کا اللہ نے حکم دیا تھا کسی کو مجھے کنزرویٹو اور نیرو مائنڈڈ قرار دینے پر مجبور کرتا ہے تو پھر مجھے اس سے کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ میں خوش اور مطمئن تھی کیونکہ مجھے یقین تھا خدا مجھ سے خوش اور مطمئن تھا۔

ان دنوں میری زندگی ایک سیدھی لکیر کی مانند تھی...... Ruler کے ساتھ کھینچی گئی

ایک سیدھی لکیر...... بیچ میں کہیں کوئی ٹیڑھ...... کوئی خامی...... تھی ہی نہیں...... اور میرے ماں باپ کو مجھ پر فخر تھا...... فخر ہوتا بھی کیوں نہ...... میں ان کی اکلوتی اولاد تھی اور اس اکلوتی اولاد کی انھوں نے حتی المقدور اچھی تربیت کی تھی...... اور یہ تربیت میری شخصیت میں نظر آتی تھی...... اس دور میں میرے جیسی لڑکیاں کم ہوتی تھیں اور جو ہوتی تھیں وہ اپنے ماں باپ کے لیے اسی طرح قابل فخر ہوتی تھیں۔

میرے لیے تب یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ میں کسی ایسی چیز پر یقین نہ لاتی جو میرے ماں باپ مجھ سے کہتے...... کوئی ایسی بات نہ مانتی جو وہ چاہتے...... کوئی ایسا کام کرتی جسے وہ ناپسند کرتے...... میں ان کی ہر بات کو پتھر کی لکیر سمجھ کر مانا کرتی تھی بلکہ شاید اس سے بھی بڑھ کر وحی کی طرح...... میرے لیے سچ صرف وہ ہوتا تھا جو میرے والدین کی زبان سے ادا ہوتا تھا۔ باقی سب کچھ جھوٹ تھا...... میری اخلاقیات کا منبع ان کی نصیحتیں اور تعلیمات بھی تھیں...... انھیں پتہ تھا کہ میں ان کی ہر بات کو آنکھیں بند کر کے قبول کرتی ہوں...... اسی لیے وہ مجھ سے بہت کچھ کہا کرتے تھے...... میں ویسے بھی ان کی اکلوتی بیٹی تھی وہ مجھے ہر لحاظ سے پرفیکٹ دیکھنے کے خواہش مند تھے...... ایک آئیڈیل اولاد جوان کے لیے باعث افتخار ہو...... سعادت مند، فرمانبردار، اکلوتی اولاد اور میں ایسی ہی تھی۔

اچھائی اور برائی کا جو ترازو میرے ماں باپ نے میرے اندر نصب کیا وہ ساری عمر ناپ تول اور جانچ پرکھ میں مصروف رہا...... ہر بار اس کی پیمائش اور تخمینے میرے لیے ٹھیک ثابت ہوتے رہے...... صرف ایک بار اس ترازو کے دونوں پلڑوں کا توازن خراب ہوا اور میرے لیے وہ "ایک بار"...... "بس ایک بار" ثابت ہوئی...... میں منہ کے بل گرنے کے بعد دوبارہ کبھی اٹھ نہیں سکی...... میں نے اٹھنے کی کوشش بھی نہیں کی...... میں جیسے آسمان سے گری تھی۔

چوتھا باب

انھیں دنوں ہمارے گھر میں پہلی بار **Dumb** کالز آنے لگیں...... پہلے بابا کا خیال تھا یہ ان کے کسی سٹوڈنٹ کی شرارت ہوگی...... وہ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے اور بہت نرم طبیعت کے ہونے کے باوجود اپنے اصولوں میں بہت سخت تھے۔ شروع میں ہم سب نے ان کالز کو نظر انداز کیا، خود بابا نے بھی...... مگر بعد میں وہ قدرے ٹینس رہنا شروع ہو گئے...... فون ہمیشہ امی اٹھاتی تھیں یا بابا...... اور دوسری طرف سے فون فوراً بند کر دیا جاتا...... میں فون نہیں اٹھاتی تھی اور نہیں جانتی تھی کہ وہ کالز دراصل میرے لیے آتی تھیں۔

''غلطی میری ہی تھی میں نے اپنے لیے غلط آدمی کا انتخاب کیا۔ وہ شخص اس قابل

نہیں تھا کہ میں اس سے......'' صوبیہ ایک بار پھر سسکیاں بھرتے ہوئے مجھے اپنے تازہ ترین ناکام افیئر کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''میری تم سے بس ایک **Request** ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

''کہ اب آئندہ تم بوائے فرینڈ بنانے کی کوشش مت کرنا۔''

''میں بوائے فرینڈز کب بنا رہی ہوں می می...... میں تو صرف ایک ایسا شخص ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہوں جس سے میں کل کو شادی کر سکوں۔''

''اور اس کوشش میں تم پچھلے چند سالوں میں درجنوں لڑکوں کے ساتھ **Dating** کر چکی ہو۔'' میں نے اسے یاد دلایا

''اب تم بار بار مجھے میرے ماضی کے حوالے سے طعنے دو گی؟'' صوبیہ نے برا منایا۔

''طعنے نہیں دے رہی ہوں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ آئندہ ایسا مت کرنا...... اگر تمھارے پیرنٹس کو یہ سب کچھ پتہ چل جائے تو تمھیں اندازہ ہے ان کا ردعمل کتنا شدید ہوگا۔''

''کچھ نہیں کہیں گے وہ...... انھوں نے مجھے بہت آزادی دے رکھی ہے۔'' صوبیہ نے لاپرواہی سے کہا اس کی سسکیاں اب تھم چکی تھیں۔

''آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم انھیں دھوکہ دو...... کچھ پابندیاں انسان خود بھی تو اپنے اوپر لگاتا ہے۔'' میں نے اسے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

''کہہ رہی ہوں نا کہ میں اب دوبارہ کبھی ایسا نہیں کروں گی۔'' اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

صوبیہ نے پہلی بار یہ وعدہ نہیں کیا تھا...... اپنے ہر افیئر کے ختم ہونے کے بعد وہ اسی طرح روتی دھوتی پھر ایسے ہی وعدے کرتی...... چند دنوں بعد اس کے تمام وعدے اور آنسو ہوا میں اُڑ جاتے...... وہ پھر سے پہلے والی ڈگر پر آ جاتی...... کوئی نیا لڑکا، نیا دوست، ہوٹلنگ پھرنا پھرانا، خط و کتابت، تحائف کا تبادلہ، اظہار محبت اور اس کے بعد کھیل ختم...... کردار اور تماشائی اپنے اپنے گھر......

مجھے اس کی ان تمام حرکتوں سے گھن آتی تھی...... جن **Values** کے ساتھ میری پرورش ہوئی تھی مجھے اس سے گھن آنی ہی چاہیے تھی اور شاید ایسی ہی شدید ناپسندیدگی صوبیہ

میرے خیالات اور طرزِ زندگی کے لیے رکھتی تھی...... اس کا خیال تھا میں جانتے بوجھتے ایک پنجرے میں رہ رہی ہوں جن میں میں نے اپنے لیے کوئی کھڑکی تک نہیں رکھی اور اس پنجرے میں مجھے مقفل کرنے والے میرے اپنے ماں باپ تھے۔

''ہیلو'' میں نے فون اٹھا کر کہا۔ ''ہیلو می بات کر رہی ہیں؟'' دوسری طرف کوئی مرد تھا میں الجھی۔

''جی...... آپ کون؟''

''میرے خدا۔'' اس نے بے اختیار سانس لے کر کہا۔ ''آج کچھ اور مانگتا تو وہ بھی مل جاتا۔'' میں سمجھی نہیں۔ میں اس کے جملے پر کچھ اور الجھی۔

''آپ کے گھر میں فون کیا آپ کے والد صاحب کے کمرے میں ہوتا ہے؟'' اس نے سوال کیا یا تبصرہ مجھے اندازہ نہیں ہوا۔

''دیکھیں میں نے آپ کو پہچانا نہیں ہے۔''

''میں آپ کی پریشانی سمجھ سکتا ہوں...... مگر پہچاننے کے لیے دیکھنا ضروری ہوتا ہے اور فون پر آپ مجھے کیسے دیکھ سکتی ہیں۔'' اس کا لہجہ اور انداز انتہائی شوخ تھا۔

''آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟'' اس بار میں نے قدرے ناراضگی سے کہا۔

''بتایا تو ہے آپ سے۔''

''اپنا تعارف کروائیں۔''

''مجھے موی کہتے ہیں۔''

''میں کسی موی کو نہیں جانتی۔''

''اسی لیے تو فون کیا ہے تا کہ آپ کو واقف بنایا جا سکے۔''

''آپ انتہائی بدتمیز انسان ہیں دوبارہ فون مت کریں یہاں پر۔'' میں نے بہت غصے میں فون بند کر دیا اور لاؤنج میں بیٹھ کر TV دیکھنے لگی۔ فون کی گھنٹی چند ہی لمحوں کے بعد ایک بار پھر بجی تھی اور میری Instinct نے مجھے بتایا کہ یہ وہی ہے۔ میں نے ریسیور اٹھایا ''ہیلو۔'' ''ہیلو می۔'' وہ وہی تھا میں نے اس بار فون بند کرنے کی بجائے ریسیور ٹیبل پر رکھ

دیا...... زندگی میں پہلی بار میں نے ایسی کوئی کال ریسیو کی تھی اور میں کچھ دیر اس کالر کے بارے میں سوچتی رہی۔ آخر وہ میرا نام کیسے جانتا تھا؟...... پھر میں نے سر جھٹکا، جو نمبر جانتا تھا اس کے لیے نام جاننا کیا مشکل تھا...... مگر صرف ایک پریشانی تھی یہ میرا نِک نیم تھا اور صوبیہ کے علاوہ اور کوئی مجھے اس نام سے نہیں بلاتا تھا۔

''آخر تمھیں کنسرٹ میں جانے پر کیا اعتراض ہے؟'' صوبیہ پچھلے ایک گھنٹہ سے فون پر مجھ سے مسلسل ایک ہی بات پوچھ رہی تھی۔

''ایک نہیں بہت سے اعتراضات ہیں۔'' میں نے شاید 100 ویں بار اسی اطمینان سے کہا۔

''انسان کو کبھی تفریح کے لیے گھر سے باہر بھی نکلنا چاہیے ہر وقت 100 سال کی بوڑھی عورتوں کی طرح گھر میں گھس کر نہیں بیٹھے رہنا چاہیے۔'' وہ اب طنز کر رہی تھی۔

''تمھارے ماں باپ نے بھی تمھیں بالکل اپنی مٹھی میں جکڑ کر رکھا ہوا ہے...... کہیں باہر نکلنے ہی نہیں دیتے۔'' وہ اب امی اور بابا پر تنقید کر رہی تھی۔

''حالانکہ یہی تو عمر ہوتی ہے ایسی سرگرمیوں کی...... اگر اس عمر میں یہ سب نہیں کرو گی تو پھر کس عمر میں کرو گی؟''

''میں کسی بھی عمر میں اس طرح کی چیزوں میں شرکت نہیں کروں گی۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر دوٹوک انداز میں اس سے کہا۔

''کیوں؟...... اب کنسرٹ میں شرکت بھی کیا گناہ ہو گئی ہے؟'' وہ طنزیہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ کہ وہاں جانا گناہ ہے یا نہیں مگر میں اس طرح کی کمپنی کو انجوائے نہیں کرتی۔''

''کیسی کمپنی کو؟'' صوبیہ نے قدرے تیز لہجے میں میری بات کاٹی۔

''تم میری بات کر رہی ہو؟'' وہ غلط فہمی کا شکار ہو رہی تھی۔

''نہیں میں تمھاری کمپنی کی بات نہیں کر رہی۔'' میں نے کہا۔

"میں وہاں آنے والے دوسرے لڑکے لڑکیوں کی بات کر رہی ہوں جو بغیر کسی وجہ کے ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں۔"

"اب کنسرٹ میں تو شور ہی ہوگا وہاں لوگ چپ کا روزہ رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتے۔" صوبیہ نے کہا۔

"جانتی ہوں چپ کا روزہ نہیں رکھ سکتے مگر مجھے ان کے شور شرابے سننے میں کوئی دلچسپی ہے نہ ہی ان کا ناچ گانا دیکھنے میں۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"چلو نا یار..... آخر اتنی ضد کیوں کر رہی ہو؟" وہ اب منتوں پر اتر آئی۔

"جلد آ جائیں گے..... میں وعدہ کرتی ہوں۔"

"نہیں صوبیہ میں اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتی مجھے کل ویسے بھی بہت سے کام ہیں۔" میں اس کی منت سماجت سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

"ایک دن کی تفریح سے تمھارے کون سے کام رک جائیں گے۔" وہ اسی انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تمھیں پتہ ہے میں کبھی تم سے ساتھ چلنے کے لیے نہ کہتی اگر میرے ساتھ جانے کے لیے کوئی اور ہوتا مگر میرے ساتھ جانے کے لیے کوئی اور نہیں ہے اس لیے تمہاری منتیں کر رہی ہوں..... چلو نا۔" اس نے ایک بار پھر منت کی۔

"اچھا اگر میں تمہاری منت کروں کہ تم وہاں نہ جاؤ تو پھر؟" میں نے جواباً کہا۔

"مجھے تم سے اسی فضول بات کی توقع تھی۔" وہ یک دم ناراض ہو کر بولی۔

"اب تم مجھے مجبور کرو گی کہ میں وہاں نہ جاؤں اور تمہاری طرح اسی عمر میں گھر میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا شروع کر دوں۔"

"نہیں میں تمھیں یہ نہیں کہہ رہی کہ تم گھر میں بیٹھ کر اللہ اللہ شروع کر دو..... تم ویسے ہی گھر میں بیٹھ جاؤ..... یہ ضروری تو نہیں کہ تم شہر میں ہونے والا ہر کنسرٹ اٹینڈ کرو..... یہ کنسرٹ چھوڑ دو..... اگلی بار میری بجائے کوئی اور تمھیں ساتھ جانے کے لیے مل جائے گا تو پھر تمھیں میری منتیں نہیں کرنا پڑیں گی۔" اس سے پہلے کہ میں کچھ اور کہتی اس نے دوسری طرف سے فون پٹخ دیا۔

"ہیلو" "السلام علیکم"

"وعلیکم السلام..... آپ کون ہیں؟" اس دن پھر میں نے فون اٹھایا تھا اور میں نے اس کی آواز نہیں پہچانی۔

"میں وہ ہوں جس پر آپ نے ابھی ابھی سلامتی بھیجی ہے۔"

"جی۔" میں اس کے سنجیدگی سے کہے جملے پر حیران ہوئی۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟"

"جس سے کر رہا ہوں۔" اس کے انداز میں کمال کی بے تکلفی تھی۔ میں نے یک دم اسے پہچان لیا۔

"Oh! I see میں نے پہچان لیا ہے آپ کو۔" میں نے بے اختیار کہا۔

"really..... ذہین تو میں بھی ہوں مگر آپ جتنی ذہانت....." وہ مجھے داد دے رہا تھا۔

میں نے اس کی بات کاٹی۔ "آپ وہی آدمی ہیں جو....." اس بار اس نے میری بات کاٹی۔

"آدمی؟" وہ تقریباً چیخا تھا۔

"ابھی تو میں لڑکا ہوں اور آپ نے مجھے آدمی بنا دیا۔"

"میں نے اس دن بھی آپ کو کتنی بے رحمی سے ڈانٹا تھا کہ....." اس نے ایک بار پھر میری بات کاٹی۔

"آپ نے ڈانٹا کب تھا آپ نے تو بس ریسیور کریڈل سے اٹھا کر رکھ دیا تھا۔ پورے دو منٹ میں آپ کے TV پر چلنے والا نیوز بلیٹن سنتا رہا۔"

"آپ واقعی پاگل ہیں۔" میں نے بے اختیار کہا۔

"آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا..... اس دور میں PTV کا نیوز بلیٹن سننے والا واقعی پاگل ہوتا ہے..... اور یہ خاصیت آپ میں بھی ہے کیونکہ آپ بھی اس وقت یہی کام کر رہی تھیں۔" میں نے فون پٹخا پھر ایک خیال آنے پر ریسیور کریڈل سے اتار کر رکھ دیا..... اور پھر

مجھے اس کے آخری جملے پر ہنسی آئی...... آخر واقعی کیا تک بنتی تھی نیوز بلیٹن دیکھنے کی۔

............❁............

''کبھی کبھی مجھے تم پر رشک آتا ہے ممی۔'' صوبیہ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

میں فون سنتے ہوئے اس کی بات پر مسکرا دی۔ ''جھوٹ مت بولو...... تمھیں مجھ پر رشک آسکتا ہے؟ تمھیں تو مجھ پر صرف ترس آتا ہے۔''

''نہیں نہیں کبھی کبھی مجھے تم پر رشک بھی آتا ہے۔''

''کیوں؟''

''تمھیں کوئی ٹینشن جو نہیں ہے۔''

''کیسی ٹینشن؟'' میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

''بوائے فرینڈز کی ٹینشن **Figure conscious** رہنا، **Fashion freak** ہونا، کنسرٹس اور شور میں بھاگنا...... تمھیں تو یار میری طرح کے مسئلے ہی نہیں ہیں۔'' اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔

''مجھے مسئلے ہیں نہیں یا میں نے مسئلے پالے نہیں؟ تم چاہو تو تم بھی ان مسئلوں سے پیچھا چھڑا سکتی ہو۔''

''امپاسبل ان سب کے بغیر سوسائٹی مجھے قبول نہیں کرے گی۔''

''تم سمجھتی ہو ہم اپنی حدود و قیود کو جتنا زیادہ پھلانگیں گے معاشرے میں اتنا اونچا مقام پائیں گے؟'' میں جانتی تھی میرا سوال چبھنے والا تھا۔

''میں اسی لیے تو کہتی ہوں مجھے بعض دفعہ تم پر بڑا رشک آتا ہے۔'' صوبیہ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ بات کا موضوع بدل دیا تھا۔

میں جانتی تھی اسے مجھ پر رشک نہیں آتا تھا اسے مجھ سے حسد ہوتا تھا...... کیونکہ میں اس کی طرح کنفیوزڈ **Ethics** لے کر نہیں پھرتی تھی...... اور اس لیے بھی کیونکہ مجھے اپنے نفس پر اس سے زیادہ قابو تھا...... کم از کم تب میری سوچ یہی تھی...... میں صرف یہ نہیں جانتی تھی کہ انسان اپنے ہر لفظ اپنے ہر خیال کے لیے آزمایا جائے گا۔

............❁............

''تم آخر چاہتے کیا ہو؟'' ایک بار پھر فون اٹھانے پر میں نے اس کی آواز سنی تھی اور میں بے اختیار جھلائی تھی وہ ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے ہی پڑ گیا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں؟'' اس نے جواباً سوال کیا۔

''تم اپنا اور میرا وقت ضائع کرنا چاہتے ہو۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''بالکل ٹھیک...... میں یہی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔

میں نے دانت کچکچائے۔ ''تمھیں دوسرے لوگوں کے گھروں میں فون کرتے شرم نہیں آتی؟''

''لوگ گھروں میں فون لگواتے ہی اس لیے ہیں کہ ان سے رابطہ کیا جائے۔ وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔'' ہاں ٹھیک ہے فون اس لیے لگوایا جاتا ہے کہ رابطہ کیا جائے مگر اس طرح کے رابطے کے لیے نہیں جو تم کر رہے ہو۔''

''میرے رابطے میں کیا خرابی ہے؟''

''تمھارے رابطے میں خرابی نہیں ہے تمھارے دماغ میں خرابی ہے۔'' میں نے جھلا کر کہا۔

''آپ ثابت کریں۔'' اس کی ڈھٹائی اپنے عروج پر تھی۔

''مجھے یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''پھر آپ نے یہ بات کہی کیوں؟''

''تو اور تمھارے بارے میں کیا کہا جائے؟''

''کوئی اچھی بات۔''

''تم ہمیں فون کر کے تنگ کر رہے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ ہم تمھارے بارے میں کوئی اچھی بات کریں۔'' مجھے وہ واقعی پاگل لگا۔

''پورا شہر چھوڑ کر اگر میں صرف آپ کے گھر ہی فون کر رہا ہوں تو یہ آپ لوگوں کے لیے اعزاز کی بات ہے۔''

''ہمیں اس اعزاز کی ضرورت نہیں ہے یہ اعزاز آپ کسی اور کو عطا کریں اور ہمیں بخش دیں۔''

"خیر ضروری نہیں ہے کہ میں آپ کی ہر بات مانوں۔" اس کا انداز برقرار تھا۔

"تم نے ہمارا نمبر کہاں سے لیا ہے؟" مجھے ایک بار پھر خیال آیا۔

"آخر یہ سوال کتنی بار پوچھیں گی آپ؟...... آپ تنگ نہیں آتیں ہر بار یہی بات پوچھ کر؟"

"اور تم نے ایک بار بھی اس سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"کیونکہ یہ اتنا اہم سوال نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ مجھے احساس نہیں ہوا کہ میں اس سے فون پر غیر ارادی طور پر بہت لمبی گفتگو کرنے لگی تھی...... بظاہر بے ضرر اور طویل گفتگو...... بے معنی باتیں...... بے مقصد تکرار...... وہ بات کو طول دیتا جاتا اور میں لاشعوری طور پر اس کی باتیں سنتی اور ان کے جواب دیتی رہتی۔ اسے بات سے بات بنانے یا بڑھانے میں کمال حاصل تھا اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی باتوں کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔

پہلے وہ میرے کالج سے آنے کے بعد دن میں کئی مرتبہ کال کیا کرتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ ایک مخصوص وقت کال کرنے لگا۔ جب میں لاؤنج میں ہوتی اور زیادہ تر میں ہی فون اٹھایا کرتی...... مجھے اس کی کالز جھنجھلا دیا کرتی تھیں کیونکہ اس سے پہلے کبھی مجھے اس طرح کی کالز کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ نہ ہی میں نے کبھی اس طرح باقاعدگی سے کبھی کسی کی کالز ریسیو کی تھیں مگر وہ شخص عجیب تھا...... کمال درجے کی ڈھٹائی تھی اس میں...... اور اس کی حسِ مزاح بھی اتنی ہی اعلیٰ تھی...... میں اس کی جن باتوں کو سننے کے دوران اس سے ناراض ہوتی...... بعد میں ان باتوں کا خیال آنے پر مجھے کئی بار ہنسی آتی...... وہ پتہ نہیں واقعی اتنا ہی احمق تھا یا پھر صرف میرے سامنے احمق بن رہا تھا۔

"مہر ذرا فون اٹھاؤ۔" امی نے کچن سے آواز دے کر لاؤنج میں بجتے فون کی طرف میری توجہ مبذول کروائی۔ میرے ذہن میں فوری طور پر اسی کالر کا خیال آیا تھا کیونکہ وہ اسی وقت فون کرتا تھا مگر...... میں نے سوچا تھا آج اگر یہ وہ ہوا تو میں اسے ٹھیک ٹھیک سناؤں گی۔

"ہیلو می۔" اس نے فون اٹھاتے ہی کہا۔

"مجھے ایک بات بتاؤ تم آخر میرا نام کیسے جانتے ہو؟" میں نے بالآخر اس سے وہ

سوال کیا جو میں پہلے دن سے کرنا چاہتی تھی۔

"نام؟...... میں تو آپ کے کام بھی جانتا ہوں۔ وہ بے اختیار ہنسا"

"کیسے کام؟" میں کچھ اُلجھی۔

"تم گریجویشن کر رہی ہو۔" اس نے ایک ہی جست میں آپ سے تم کا فاصلہ طے کیا تھا مگر اس وقت میں نے اس پر غور نہیں کیا۔ مجھے تو اس بات نے پریشان کیا تھا کہ وہ یہ کیسے جانتا ہے کہ میں گریجویشن کر رہی تھی۔

"تمھیں کیسے پتہ؟" میں نے بے اختیار کہا۔

"مجھے تو یہ بھی پتہ ہے کہ تم بہت عبادت گزار ہو۔"

"مائی گاڈ۔"

"دیکھا" وہ ایک بار پھر ہنسا۔

"اور میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تم پردہ کرتی ہو۔"

"تم نے دیکھا ہے مجھے؟"

"ہاں۔"

"کہاں۔"

"تمھارے کالج۔" وہ اب کالج کا نام بتا رہا تھا۔

"تم وہاں بھی پہنچ چکے ہو۔" میں نے بے ساختہ کہا۔

"میں کہاں نہیں پہنچ چکا۔" اس نے مزے سے کہا اور پھر اسی سانس میں بولا۔

"کیا میں نے تمھیں یہ بتایا ہے کہ تم بہت خوبصورت ہو؟"

"نہیں۔" میں نے بے اختیار کہا۔

"تم بہت خوبصورت ہو۔" میں چند لمحے کچھ بول نہیں سکی اور اس سے پہلے کہ میرے حواس بحال ہوتے امی لاؤنج میں آ گئی تھیں۔

"کس کا فون ہے؟" انھوں نے کہا۔

"آہ...... صوبیہ...... صوبیہ کا۔" میں بے اختیار ہکلائی۔

"اچھا مگر اب بس کرو۔ بہت دیر سے باتیں کر رہی ہو تم اس کے ساتھ۔" انھوں

نے کہا

''جی۔''

''بس خدا حافظ کہہ دو اسے۔'' امی نے مزید کہا۔

میں نے ریسیور دوبارہ کان سے لگایا۔''خدا حافظ۔'' اور دھڑاک سے ریسیور رکھ دیا۔

''کچن میں برتن پڑے ہیں انھیں صاف کر دو۔'' امی نے لاؤنج سے نکلتے نکلتے کہا۔

''میں کر دیتی ہوں۔'' میں نے کھڑا ہوتے ہوئے کہا۔ مگر اس وقت میرا ذہن کہیں اور تھا...... اور دل...... پتہ نہیں وہ تو شاید کہیں تھا ہی نہیں۔

❁......❁......❁

پانچواں باب

یہ نہیں تھا کہ میں یہ نہیں جانتی تھی کہ میں خوبصورت ہوں مگر میں نے کسی مرد کے منہ سے یہ پہلی بار سنا تھا۔ سنک کے سامنے کھڑے برتن دھوتے ہوئے میرے ذہن میں بار بار اس کی آواز آ رہی تھی۔ ''کیا میں نے تمھیں بتایا ہے کہ تم خوبصورت ہو؟'' ''نہیں۔'' ''تم بہت خوبصورت ہو۔'' چار پلیٹوں کو اس رات سنک کے سامنے کھڑے میں نے شاید 40 بار دھویا...... مجھے اندازہ ہی نہیں ہو پا رہا تھا کہ میں انھیں پلیٹوں کو بار بار دھو رہی ہوں...... دو ہفتوں میں پہلی بار میں اس کالر کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوئی تھی کیونکہ اس نے مجھے اپنے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا تھا۔

''جب مرد کسی عورت کو یہ کہتا ہے کہ وہ خوبصورت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ عورت اس کے لیے کسی نہ کسی وجہ سے خاص اہمیت رکھتی ہے، وہ اسے بہت سی دوسری عورتوں میں Identify کر سکتا ہے۔'' صرف چند دن پہلے ہی تو کالج میں میری فرینڈز اسی ایشو پر بات کر رہی تھیں۔ فری پیریڈ میں کالج کے گراؤنڈ میں بیٹھ کر سمیعہ، ثنا اور صوبیہ کسی اور موضوع سے شروع ہو کر اسی موضوع پر پہنچ گئی تھیں۔

''میں سمجھتی ہوں کہ مرد جب کسی عورت سے یہ کہتا ہے تو دراصل وہ وہ فیلنگز اس تک پہنچاتا ہے جو اس عورت کو دیکھ کر اس کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔'' ثنا نے سمیعہ کی بات کے جواب میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔

''کہ اس کے چہرے اور اس کے وجود کو دیکھ کر وہ اپنے اندر کیا محسوس کرتا ہے...... کیونکہ خوبصورتی یا تو ہمیں متاثر کرتی ہے یا مرعوب کرتی ہے یا پھر excite اور شاید مرد یہ تینوں چیزیں محسوس کرتا ہے۔'' میں مونگ پھلی کھاتے ہوئے ان لوگوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ ہم چاروں سائیکالوجی کے سٹوڈنٹ تھے اور ایسی بحثیں اکثر ہوا کرتی تھیں۔

''میرا خیال ہے مرد جب کسی عورت سے یہ کہتا ہے کہ تم خوبصورت ہو تو وہ اس کو ان ڈائریکٹلی یہ بتا رہا ہے کہ تم میرے لیے خاص ہو کیونکہ ہر خوبصورت عورت ہر مرد کو خوبصورت نہیں لگتی اور ہر مرد ہر عورت کو خوبصورت نہیں کہتا...... لیکن جب وہ کسی عورت سے کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس عورت کے لیے کوئی خاص Vibe محسوس کر رہا ہے......'' یہ صوبیہ کی فلاسفی تھی۔

''تمہارا کیا خیال ہے مہر؟'' سمیعہ نے مجھے مخاطب کیا۔

میں نے مونگ پھلی چھیلتے ہوئے سر اٹھا کر باری باری تینوں کو دیکھا۔ پھر دانہ نکال کر اطمینان سے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے جب کوئی مرد کسی عورت کو یہ کہتا ہے کہ وہ خوبصورت ہے تو وہ اسے بے وقوف بنا رہا ہے وہ دراصل یہ نہیں کہہ رہا ہوتا کہ تم خوبصورت ہو بلکہ یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ تم کو بڑی آسانی کے ساتھ بے وقوف بنایا جا سکتا ہے اور جس لڑکی پر ان الفاظ کا اثر ہو وہ ثابت کرتی ہے کہ مجھے نہ صرف بے وقوف بنایا جا سکتا ہے بلکہ میں پہلے سے ہی بے وقوف ہوں۔''

میں مزید کچھ نہیں کہہ سکی صوبیہ نے پوری قوت سے میرے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''کیا ہوا؟'' میں نے کندھا سہلاتے ہوئے کہا۔

''Get lost تم اس قابل نہیں ہو کہ تم سے ایسے کسی ایشو پر رائے لی جا سکے تم پہلے سے ہی Biased ہو۔'' صوبیہ بے حد ناراض ہوئی تھی۔

اور اب یہ میں تھی کہ اس رات کئی گھنٹے اسی ایک جملے کے بارے میں سوچتی رہی...... بار...... بار...... بار...... مجھ پر جیسے کوئی طلسم پھونکا گیا تھا...... یہ ٹھیک تھا کہ میں اس جملے کو فریب ہی سمجھتی تھی مگر ہر لڑکی یہی سمجھتی ہے کہ یہ فریب دوسروں کو دیا جاتا ہے۔ اس کے لیے اگر یہ جملہ کہا جا رہا ہے تو وہ حقیقت ہے وہ حقیقت کے علاوہ اس میں کچھ اور دیکھنا ہی نہیں چاہتی...... خود سے اس حد تک محبت کرتی ہے ہر عورت...... اور میں...... میں بھی اسی صنف سے تعلق رکھتی تھی۔

''تمھیں کیا ہوا؟'' امی نے اگلی صبح تشویش کے عالم میں میرا چہرہ دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں...... میں بس رات کو سو نہیں سکی۔'' میں نے انھیں ٹالا۔

''کیوں؟'' وہ اور پریشان ہوئیں۔

''ایسے ہی بس نیند نہیں آ رہی تھی۔'' میں نے ناشتہ شروع کرتے ہوئے کہا۔

''اگر ساری رات جاگتی رہی ہو تو پھر کالج مت جاؤ...... آرام کرو۔'' امی نے کہا۔

''ہاں میں پہلے ہی کالج نہیں جا رہی۔''

''تم سے کتنی بار کہا ہے مہر تہجد مت پڑھا کرو...... اسی عمر سے اتنی عبادت شروع کر لی ہے...... آگے چل کر مسئلے ہوں گے۔'' وہ سوچ رہی تھیں شاید میں تہجد کے لیے جاگنے کی وجہ سے سو نہیں پاتی۔ مگر میں انھیں کیا بتاتی کہ اتنے سالوں کے بعد پہلی بار میں نے کسی وجہ کے بغیر تہجد نہیں پڑھی...... مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا......

''کیا میں نے تمھیں بتایا کہ تم خوبصورت ہو؟''

''نہیں۔''

''تم بہت خوبصورت ہو۔'' میرا ذہن ان دو جملوں سے ہٹتا تو کچھ اور سوچتا۔

"اب ناشتہ کیوں نہیں کر رہی؟" امی پوچھ رہی تھیں۔

"بھوک نہیں ہے نیند آ رہی ہے۔" میں اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"جب نیند آنے کا وقت تھا تب نیند آ نہیں رہی تھی اور اب نیند آ رہی ہے۔" امی ناراضگی سے بڑبڑائی تھیں۔ مجھے واقعی نیند آ رہی تھی۔

مگر بیڈ پر لیٹنے کے بعد میں آنکھیں بند کرنے میں ناکام رہی۔ اور اس وقت پچھلے بارہ گھنٹے میں میں پہلی بار جھنجلائی۔ "آخر ہو کیا گیا ہے تمھیں مہر۔ کیا تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے یا تم پر صوبیہ کا اثر ہوگیا ہے...... کس طرح کی باتیں سوچ رہی ہو تم؟...... کس طرح کی حرکتیں کر رہی ہو تم؟...... تم کو احساس ہے؟...... امی اور بابا کو پتہ چلے کہ تم کسی لڑکے کے ساتھ فون پر تو وہ...... خود سوچو کیا عزت رہے گی ان کی نظر میں تمہاری؟...... اور خود تمہاری نظروں میں تمہاری؟" مجھے پچھلے بارہ گھنٹوں میں پہلی بار شرمندگی محسوس ہوئی میں واقعی حماقت کر رہی تھی۔ میں نے کروٹ لی اور آنکھیں بند کر لیں۔

"آج کے بعد تم دوبارہ کبھی مجھے فون مت کرنا۔" میں نے دوسرے دن اس کا فون ریسیو کرتے ہی کہا تھا۔

"کیوں؟...... اب کیا ہوا؟...... کل تو تم نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کیا تھا اور آج یک دم اتنی بے رخی" مجھے اس کی بات پر بے اختیار غصہ آیا۔

"میری امی آ گئی تھیں اس لیے مجھے یوں ظاہر کرنا پڑا کہ میں اپنی دوست کے ساتھ فون پر بات کر رہی ہوں انھیں کے کہنے پر خدا حافظ کہا میں نے۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"چلو کسی کے کہنے پر دوست مانا مگر دوست مانا تو سہی۔"

"میں نے دوست "مانا" نہیں دوست "ظاہر کیا" ہے۔"

"دونوں میں فرق ہوتا ہے؟" وہ باقاعدہ بحث کر رہا تھا۔

"بہت فرق ہوتا ہے۔"

"کیا فرق ہوتا ہے؟" "تمھیں بتانا ضروری نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے تم مجھے دوست مت مانو صرف دوست ظاہر کر دیا کرو۔" اس نے بے حد اطمینان سے کہا۔

"کیوں ظاہر کروں میں؟" میں ناراض ہوئی۔

"کیونکہ تم ایک بار ظاہر کر چکی ہو۔"

"تم انتہائی ڈھیٹ انسان ہو۔"

"تم شاید ثابت قدم کہنا چاہتی ہو۔"

"اپنی ڈھٹائی کو ثابت قدمی کہو گے تم؟"

"میں نہیں دنیا کہتی ہے...... مجنوں سے رانجھے تک ہر عاشق ڈھیٹ ہوتا ہے یا مہذب لفظوں میں ثابت قدم۔"

"عاشق؟" میں چونکی "ہاں محبت کرنے والے کو کہتے ہیں۔"

"تم کس سے محبت کرتے ہو؟" میں اپنے اس سوال کے لیے ساری رات پچھتائی تھی۔

"تم سے۔" فون کا ریسیور بے اختیار میرے ہاتھ سے گرا۔ وہ مجھ سے کیا تعلق قائم کر رہا تھا؟......

میں ابھی دو دن پہلے ہی تو فون پر صوبیہ سے کہہ رہی تھی۔ "لڑکے پہلے تعریف کرتے ہیں پھر آپ کی خوبیاں گنواتے ہیں پھر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں پھر آپ کو تحائف دیتے اور پھراتے ہیں اور پھر آپ سے اظہار محبت کرتے ہیں۔"

"لیکن اگر کوئی سیدھا سیدھا اظہار محبت کر دے تو؟" اس بار اس کے کسی نئے بوائے فرینڈ نے یہی کیا تھا اور وہ مصر تھی کہ بالآخر اسے اپنا مسٹر رائٹ مل گیا تھا۔

"تو...... تو پھر تم اس Sequence کو الٹا کر لو۔" صوبیہ نے دانت کچکچا کر فون پٹخا تھا۔

اور اب وہ تعریف سے سیدھا اظہار محبت پر آیا تھا اس نے درمیان کا فاصلہ طے کرنے کی زحمت ہی نہیں کی......

"امپاسبل...... یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے مجھ سے محبت ہو۔" میں سرد کپکپاتے

ہاتھوں کے ساتھ بہت دیر ریسیور گود میں لیے گنگ بیٹھی رہی۔ ''اور بھلا کیوں ہو گی محبت؟''...... میں اگلا ایک گھنٹہ وہیں بیٹھے اسی ایک سوال کا جواب تلاش کرتی رہی۔

اس رات میں نے تہجد کے ساتھ ساتھ عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی...... اس کی آواز مسلسل میرے ذہن میں گونج رہی تھی...... محبت...... محبت...... محبت...... میں تم سے محبت کرتا ہوں...... ایک جملہ تھا جو میرے وجود کو بھنور بنائے ہوئے تھا...... آخر یہ ممکن ہی کیسے تھا کہ...... اور اس کہ کے بعد آنے والے جملے کا جواب میرے پاس نہیں تھا...... کسی کے پاس بھی نہیں ہوتا اور کسی کو اس سوال کے جواب کی تلاش بھی نہیں ہوتی بلکہ کوئی یہ سوال کرتا ہی نہیں...... ہر ایک کے لیے یہ ہی کافی ہوتا ہے کہ اس سے ''کوئی'' محبت کرتا ہے۔ صرف میں تھی جو ایک اعتراف کو سوال بنائے بیٹھی تھی...... کسی نے میرے پورے وجود کو جیسے محبت کی میخوں سے ٹھونک دیا تھا...... اور میں میں زندگی میں پہلی بار دربارِ دل میں داخل ہو رہی تھی...... اور وہاں دل اپنے تخت پر بڑے تنفر اور تمکنت کے ساتھ براجمان تھا...... عجیب غرور تھا اس کے وجود میں...... اور اس کے دربار میں ہر کوئی گھٹنوں کے بل گرا ہوا تھا...... صرف میں تھی جو اپنے پیروں پر چلتی ہوئی وہاں آئی تھی...... شاید کبھی وہ سب بھی اپنے پیروں پر چلتے ہوئے ہی وہاں آئے ہوں گے...... صرف میں تھی جو اپنے پیروں پر وہاں کھڑی تھی...... شاید وہ سب بھی وہاں اپنے پیروں پر کھڑے ہوں گے...... اور صرف میں تھی جو وہاں تخت پر بیٹھے دل کے سامنے کھڑی اس کو دیکھ رہی تھی۔ اور دل...... اس کے ہونٹوں پر عجب مسکراہٹ تھی۔ شاید وہاں آنے والا ہر کوئی پہلے یونہی دیکھتا ہوگا۔ تنی گردن، اُٹھی ٹھوڑی سیدھے کندھے، تخت کے پار ہتھوں پر پھیلے بازو...... وہ اپنے دربار میں بادشاہ تھا۔ وہ دربارِ دل تھا اور میں...... میں...... آخر میں وہاں کیوں آئی تھی؟...... یا لائی گئی تھی۔

''نام؟......''

''مہر سمیع......''

''عمر؟......''

''20 سال......''

''جنس؟......''

''عورت......''

''محبت؟......''

''اندھی......''

میں نے چونک کر usher کو دیکھا...... وہ کیا حد جاری کر رہا تھا مجھ پر؟...... محبت اندھی؟...... اندھی محبت؟...... تو میں اندھی محبت کا شکار ہوئی تھی۔ کسی نے قہقہہ لگایا۔ میں نے گردن موڑ کر تخت کو دیکھا۔ ''مہر سمیع...... Blind love...... Rare species۔'' اس دربار کا حکمران مجھے دیکھتے ہوئے پسندیدگی سے کہہ رہا تھا۔ "Pure and Blind love" میں اسے رکھنا چاہوں گا۔ اس نے تالی بجائی...... کسی نے میرے وجود کو زنجیروں سے جکڑا...... پھر میں اوندھے منہ فرش پر گری۔

''کیا ہوا مہر؟''

''کچھ نہیں۔''

''چپ کیوں ہو اتنی؟''

''ایسے ہی۔''

''ساری رات جاگتی رہی ہو کیا؟''

''نہیں۔''

''پھر آنکھیں کیوں سرخ ہو رہی ہیں؟''

''ہاں۔''

''ہاں کیا؟'' ''رات کو جاگتی رہی ہوں۔''

''کیوں؟''

''سر میں درد تھا۔''

''تو کوئی ٹیبلٹ لے لیتی۔''

''کس لیے؟''

''سر درد کے لیے۔''

''ہاں...... لی تھی۔''

''پھر بھی نیند نہیں آئی؟''

''کس کو؟''

''تم کو مہر اور کس کو...... میں کیا پوچھ رہی ہوں تم کیا جواب دے رہی ہو۔'' صوبیہ بالآخر چلا اٹھی تھی۔ میں نے بے چارگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ میں واقعی بالکل غائب دماغ تھی...... صبح سے کالج آنے کے باوجود ہر کلاس چھوڑ رہی تھی...... اور اب جب صوبیہ آ کر پاس بیٹھ گئی تھی تو مجھے اس سے بھی اُلجھن ہو رہی تھی میں اس وقت وہاں تنہائی چاہتی تھی۔

''تم آخر ہو کہاں؟'' صوبیہ نے میرے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میں اسے کیا بتاتی کہ میں کہاں تھی...... مہر سمیع کہاں تھی؟ کیا میں اسے بتاتی کہ مہر سمیع ''اب'' کہیں نہیں تھی۔

میں ابھی لاؤنج میں داخل ہی ہوئی تھی کہ فون کی بیل بجنے لگی میرا دل جیسے اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ بابا نے فون اٹھا لیا۔ میں امی کے پاس صوفہ پر بیٹھ گئی۔

وہ اسی کا فون تھا۔ پچھلے کچھ عرصہ سے وہ بابا یا امی کے فون اٹھانے پر پہلے کی طرح فون بند کرنے کی بجائے انھیں سلام کر کے فون بند کرتا تھا مگر آج وہ بابا کے ساتھ باتوں میں لگ گیا تھا۔ بابا میرے اتنے قریب صوفہ پر بیٹھے تھے کہ میں دوسری طرف سے آنے والی اس کی آواز صاف سن سکتی تھی۔

''السلام علیکم۔'' ''وعلیکم السلام۔''

''بابا نے بھی اس کی آواز پہچان لی تھی۔''

''برخوردار جتنے سلام تم ایک دن میں مجھے اور میری بیوی کو کرتے ہو، اتنے سلام میں نے پوری زندگی اپنی اولاد سے نہیں سنے۔''

''تربیت تربیت کی بات ہوتی ہے۔'' اس نے آج خلاف توقع سلام کرنے کے بعد فون بند کرنے کی بجائے کہا۔

''بالکل تربیت تو تم پر ختم ہے...... نیکی کمانے کا اتنا شوق کہ سلام کرنے کے لیے

تین روپے کی کال کرتے ہو اور وہ بھی دن میں 30 بار۔'' بابا اس کو شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''انسان اس چھوٹی سی زندگی میں جتنی نیکیاں کما سکتا ہے اسے کما لینی چاہیے اس میں روپے پیسے کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔'' بابا کے ماتھے پر موجود تیوریوں میں اضافہ ہو گیا۔

''جس قوم میں اسلام کے زریں اصولوں پر اس طرح کی پیروی ہو اور یہ پیروی کرنے والے تم جیسے نوجوان ہوں۔ اس قوم کا انجام جاننے کے لیے فال والے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔'' اس بار دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا۔

''بند کر دیا خبیث نے۔'' بابا نے فون کا ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی خوامخواہ کی بحث میں لگ گئے...... دفع کرتے اسے۔'' امی نے کہا۔

''اب مجھے واقعی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا یہ لڑکا تو واقعی جان کو آ گیا ہے۔'' بابا نے اخبار اٹھاتے ہوئے کہا۔

''پتہ نہیں کیسے ماں باپ ہوتے ہیں جن کی اولاد یہ سب کچھ کرتی پھرتی ہے اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں ہوتی۔'' امی نے چینل بدلتے ہوئے کہا۔ میرے جسم میں ایک عجیب سنسنی سی ہوئی۔

''ہاں ساری بات ماں باپ کی تربیت کی ہی ہوتی ہے...... ماں باپ بھی تو کتنے لاپرواہ ہو گئے ہیں آج کل...... انھیں اپنے بچوں پر نظر رکھنی چاہیے۔'' بابا نے اخبار پر نظر جماتے ہوئے امی کی بات کی تائید کی۔

''ابھی تو شکر ہے کبھی مہر نے فون نہیں اٹھایا ورنہ وہ پتہ نہیں کیا بدتمیزی کرتا......'' میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''تمھیں کیا ہوا؟'' امی نے کچھ حیرانگی سے مجھے دیکھا۔

''وہ...... میں کالج کی ایک اسائنمنٹ تیار کرنا چاہتی ہوں۔'' میں نے خالی الذہنی کے عالم میں امی سے کہا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

زندگی میں بہت بار ماں باپ کا سامنا کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور میں بھی اس وقت نہیں کر پائی تھی۔ انھیں یہ پتہ چل جاتا کہ ان کی ساری اچھی تربیت کے باوجود ان کی بیٹی......

میرے خدا...... میں کیا کر رہی تھی۔

اپنے کمرے میں شاکڈ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے میں نے اپنے آپ سے پوچھا۔

اس دن وہاں بیٹھ کر میں نے طے کیا تھا کہ اس رات اس کا فون آئے گا تو میں اسے جتنا برا بھلا کہہ سکتی ہوں کہوں گی...... میں اسے بتاؤں گی کہ میں اس سے نفرت کرتی ہوں...... اور اس نے آئندہ اگر کبھی فون کیا تو ہم اس کے خلاف ایکشن لیں گے اس کا فون کٹوا دیں گے...... اور اور ضرورت پڑی تو پولیس تک کی مدد لیں گے......

مگر اس رات اس کا فون نہیں آیا...... میں صبح چار بجے تک اپنے کمرے میں بیٹھی لاؤنج میں فون کی گھنٹی بجنے کا انتظار کرتی رہی...... میں واقعی اس سے کہنا چاہتی تھی کہ میں اس سے نفرت کرتی ہوں...... مگر اس کا فون نہیں آیا اور اس دن عشاء، تہجد کے ساتھ ساتھ میں نے فجر کی نماز بھی نہیں پڑھی۔

پھر اس کا فون اگلی رات بھی نہیں آیا اس سے اگلی رات بھی...... اس سے اگلی رات بھی نہیں......

میں نے زندگی میں کبھی کسی کے فون کا انتظار اتنی بے تابی سے نہیں کیا تھا...... اگلے کئی دن فون کی ہر گھنٹی پر میں اس طرح بھاگتی رہی...... اس کا فون نہیں آیا...... ایک دن...... دو دن...... تین دن...... چار دن...... پانچ دن...... چھ دن...... سات دن...... اور ساتویں دن میں یہ بھول گئی تھی کہ مجھے اس سے نفرت کا اظہار کرنا ہے اور جب میں یہ بھول گئی تو آٹھویں دن اس کا فون آ گیا۔

چھٹا باب

''تم نے اتنے دن فون کیوں نہیں کیا؟'' میں نے اس کی آواز سنتے ہی بے اختیار کہا۔

''تم نے مجھے مِس کیا؟'' میں نے بے اختیار فون کا ریسیور رکھ دیا۔ چیک میٹ......

اب بس اسی بات کی کسر رہ گئی تھی کہ اسے یہ پتہ چل جائے کہ میں نے اسے مِس کیا...... اور میں اس سے کیا کہوں کہ نہیں میں نے تمہیں مِس نہیں کیا...... میں نے تمہاری آواز کو مِس کیا...... تمہاری کالز کو مس کیا۔ میں ہونٹ بھینچے سوچتی رہی۔ فون کی گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔ اس بار ریسیور اٹھاتے ہوئے میں جھجک رہی تھی۔

"ہیلو۔"

"فون کیوں بند کر دیا؟...... تمھیں اچھا نہیں لگا کہ میں نے تمھیں فون کیا؟......"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا...... جواب تھا ہی نہیں میرے پاس۔

"میں نے تمھیں اس لیے فون نہیں کیا تھا کیونکہ تم خود منع کر رہی تھی۔" اس نے کچھ دیر چپ رہنے کے بعد کہا۔

"تو پھر اب فون کیوں کر رہے ہو؟" میں نے مدہم آواز میں کہا۔

"مگر یہ تو بہت مشکل ہے می می کہ میں تمھیں فون نہ کروں...... میں تمھیں فون نہیں کروں گا تو زندہ کیسے رہوں گا۔" میری آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ میں اس سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ مجھے فون نہیں کرے گا تو "میں" زندہ کیسے رہوں گی۔

میں نے گھٹنے ٹیک دیے تھے...... ہتھیار ڈال دیے تھے...... شکست مان لی تھی...... ہار کے لیے جو بھی لفظ ڈکشنری میں استعمال ہوتے ہیں میں کسی نہ کسی طرح ہر لفظ کے مفہوم پر پوری اترتی تھی۔ کچھ لوگوں کو اعترافِ محبت زمین سے آسمان پر لے جاتا ہے کچھ کو آسمان سے زمین پر لے آتا ہے...... میں پتہ نہیں کس فہرست میں تھی۔

ایک دفعہ اعترافِ محبت کے بعد ساری مزاحمت ختم ہو جاتی ہے۔ آپ کچھ کرنے کے قابل نہیں رہتے پھر آپ دوسرے فریق کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں جو کچھ کرنا ہوتا ہے اس نے کرنا ہوتا ہے...... انا، عزت نفس نام کی چیزیں منٹوں میں غائب ہو جاتی ہیں پھر آپ کا وجود صرف نام کا وجود رہتا ہے...... اور میرا...... میرا تو شاید نام کا بھی نہیں تھا۔ میں تو مومی کے لیے بالکل موم کی گڑیا ثابت ہوئی تھی...... مجھے دوسری لڑکیوں کا نہیں پتہ...... مگر میرے دل کو تسخیر کرنے میں تو ایک مرد کو صرف چند ہفتے لگے تھے...... چند کالز...... چند لفظ...... اور میں اس کی تھی...... شکل وصورت، تعلیم، حسب ونسب، کردار...... حتیٰ کہ نام تک سے تو میں بے خبر تھی...... اور میں اس سے کیا تعلق جوڑ بیٹھی تھی...... محبت کا...... اندھی محبت کا...... کیا صرف اس لیے کہ میرا نام مہر تھا...... محبت...... مجھ پر اس کا اثر تو ہونا ہی تھا۔

"تمہارا نام کس نے رکھا تھا؟" صوبیہ نے ایک بار بہت تنتنا کر پوچھا تھا۔

"ماں باپ نے رکھا ہے اور کس نے رکھا ہے۔" میں اس کے سوال پر حیران ہوئی۔

"انھیں کیا پتہ تھا کہ مہر نام رکھ کر وہ تمھیں محبت سے نفرت کروا رہے ہیں...... مجال ہے ذرہ برابر بھی تم پر اپنے نام کا اثر ہو۔" سمیعہ نے کہا۔

"کیوں اثر نہیں ہے کیا میں تم لوگوں سے محبت نہیں کرتی؟...... اپنے ماں باپ سے محبت نہیں کرتی؟"

"اور کل کو اپنے شوہر اور بچوں سے بھی محبت کروں گی مگر اور کسی سے نہیں۔" صوبیہ نے میری بات کاٹ کر مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ سمیعہ اور ثنا نے قہقہہ لگایا۔

"مجھے تو خیر یہ بھی یقین نہیں ہے کہ اسے اپنے شوہر سے بھی محبت ہوگی یا نہیں...... محبت کے بارے میں یہ جتنے کٹر خیالات رکھتی ہے اصولی طور پر تو اسے اپنے شوہر سے بھی محبت نہیں کرنی چاہیے۔ صوبیہ نے ایک بار پھر مذاق اڑایا۔"

میں محبت کے بارے میں "کٹر" خیالات نہیں رکھتی میں محبت کے بارے میں "صحیح" خیالات رکھتی ہوں۔ جس طرح تم بوائے فرینڈز بدلتی رہتی ہو یا بوائے فرینڈز تم کو بدلتے رہتے ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ اس طرح کے تعلقات میں محبت نام کا کوئی **Element** ہو؟...... میں نہیں سمجھتی۔"

"اپنا نام بدلوا لو مہر...... بلکہ میں آج سے ہی بدل دیتی ہوں...... می می کہا کروں گی میں تمھیں۔" صوبیہ نے اسی وقت میری بات کاٹ کر فیصلہ سنایا اور اس کے بعد وہ مجھے زیادہ تر می می ہی کہا کرتی تھی۔

اور اب میں کم از کم ان سب کے ساتھ بحث میں محبت کے بارے میں وہ سب کچھ نہیں کہہ سکتی تھی جو میں پہلے کہتی تھی...... میں تو محبت کے بارے میں ایک لفظ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

...........❀...........

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"مومی"

"یہ تو کوئی نام نہیں ہوا۔"

"پھر...... تمہارا کیا خیال ہے کیا نام ہوگا میرا؟"

”مجھے کیسے پتہ؟“

”تمہارا نام کیا ہے؟“ اس نے اس بار مجھ سے پوچھا۔ میں مہر کہتے کہتے رک گئی، مجھے عجیب سی جھجک ہوئی اپنا نام بتاتے ہوئے۔

”میرا نام می می ہے۔“ وہ ہنسا۔

”یعنی تم بھی اپنا اصلی نام نہیں بتاؤ گی۔“

”مہرین۔“

”می می...... مہرین او کے۔“ اس نے نام پر غور کیا اور مطمئن ہو گیا۔

”اور تمہارا نام کیا ہے؟“ ”مونس“ اس بار اس نے کہا۔

”اچھا نام ہے۔“

”مجھے اس کا نام پسند آیا۔“

”تمہارا نام بھی اچھا ہے۔“ اس نے جواباً کہا۔

”تم کیا کرتے ہو؟“

”پڑھتا ہوں۔“

”کیا؟“

”گریجویشن کر چکا ہوں ابھی آگے پڑھوں گا۔“

”تمہارا سٹار کیا ہے؟“

”یہ لڑکیاں ہمیشہ سٹار کیوں پوچھتی ہیں؟“ اس نے بے اختیار کہا۔

مجھے ایک دھچکہ سا لگا۔ ”کون لڑکیاں؟“

”کوئی بھی لڑکی...... کسی سے بھی بات کرو تو پہلا سوال سٹار کے بارے میں ہی کرتی ہیں۔“ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

”تم سمجھ لو آسمان میں سب سے اوپر اور سب سے روشن سٹار میرا ہی ہے۔“

”ٹھیک ہے مگر پھر بھی۔“

”میں نے اصرار کیا۔“

”او کے...... Scorpio۔“ میں بے اختیار چپ ہو گئی۔ مجھے عقرب لوگ کبھی اچھے

نہیں لگے تھے مجھے کسی اور Zodiac سائن سے اتنی چڑ یا کچھ زیادہ صاف الفاظ میں اتنی نفرت نہیں تھی جتنی اس سٹار کے لوگوں سے...... کیونکہ وہ بے حد خود غرض اور اَنا پرست ہوتے ہیں...... کم از کم میرے خیال میں...... اور وہ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ اپنی خوشی اپنا آرام اپنی زندگی، سب کچھ صرف اپنا...... اور وہ کبھی بدلہ لینا نہیں بھولتے...... اور اب ”وہ“ کہہ رہا تھا ”وہ“ عقرب ہے۔

”کیا ہوا خاموشی کیوں چھا گئی؟“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

”کیا سٹار پسند نہیں آیا؟“

”نہیں...... نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے......“ میں نے بے ساختگی سے کہا۔

”ایسے ہی کچھ سوچ رہی تھی۔“

”تمہارا سٹار کیا ہے؟“ "Aries"۔

”Compatibility ہے؟“

”پتہ نہیں۔“

”میرا خیال تھا تمھیں پتہ ہو گا۔ چلو اب پتہ کرنا۔“

”کیوں؟“

”اب تو ضروری ہے۔“ اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”تمہاری فیملی......“ اس نے میری بات کاٹی۔

”میں اکلوتا ہوں۔“

”میں بھی اکلوتی ہوں۔“ میں نے بے اختیار خوشی سے کہا۔ وہ ہنسا۔ مجھے لگا اسے یقین نہیں آیا۔

”واقعی...... میں اکلوتی ہوں۔“

”میں نے کب کہا می می کہ تم نہیں ہو۔“ اس نے میری بات کے جواب میں کہا۔

”تمھیں کونسا کلر پسند ہے۔“ "White" اس نے فوراً کہا

”اور کھانا؟“

”چکن کی بنی ہر ڈش۔“

‘‘کوئی خاص ڈش۔’’

‘‘فرائیڈ چکن۔’’

‘‘پرفیوم؟’’ "D&Q"

‘‘ڈرنک؟’’

‘‘سپرائٹ ود لیمن’’

‘‘میوزک سنتے ہیں؟’’

‘‘کون پاگل ہے جو نہیں سنتا۔’’ اس نے بے اختیار کہا۔

‘‘میں نہیں سنتی۔’’ میں نے بے ساختہ کہا۔ وہ گڑبڑایا۔

‘‘ہاں...... کچھ سمجھ دار لوگ نہیں سنتے۔’’ میں بے ساختہ ہنسی۔

‘‘انٹرویو ختم ہوگیا؟’’ میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا۔

‘‘ہاں۔’’

‘‘ارے مگر تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ فیورٹ پھول کون سا ہے۔ فیورٹ جگہ، فیورٹ ایکٹر، ایکٹرس’’ وہ میرا مذاق اڑا رہا تھا۔

‘‘جو جاننا ضروری تھا وہی پوچھا ہے۔’’ میں نے مدہم آواز میں کہا۔

‘‘بس اور کچھ جاننا ضروری نہیں ہے۔’’

‘‘ہے۔’’

‘‘کیا؟’’

‘‘مجھے کیسے جانتے ہیں آپ؟’’ وہ بے اختیار ہنسا۔

‘‘یہ نہیں بتاؤں گا میں۔’’

‘‘میرا فون نمبر جانتے ہیں...... میں کہاں پڑھتی ہوں یہ بھی جانتے ہیں...... کہاں رہتی ہوں کیا یہ بھی جانتے ہیں؟’’

‘‘ایڈریس بتاؤں؟’’ اس نے بڑے اطمینان سے جیسے اجازت چاہی۔

‘‘میرے خدا...... مگر کیسے؟’’

‘‘بس جانتا ہوں...... میں تو تمہاری فرینڈز کے نام تک جانتا ہوں۔’’

‘‘یہ جھوٹ ہے۔’’ میں نے بے اختیار کہا۔

‘‘اچھا تو صوبیہ تمہاری دوست نہیں ہے......’’ میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

‘‘اور سمیعہ اور ثنا...... ہیلو......’’ اس نے شرارتی انداز میں کہا۔

‘‘جناب سو گئی ہیں کیا؟’’ میں سو نہیں رہی تھی مجھے تو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ آخر وہ مجھے کس حد تک حیران کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔

‘‘میں تو یہ تک جانتا ہوں کہ تم پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہو...... تہجد پڑھتی ہو...... کنسرٹس میں نہیں جاتی...... دوسری لڑکیوں جیسے کوئی فضول شوق نہیں ہیں تمہارے۔ اتنا کافی ہے؟’’

‘‘کب سے جانتے ہیں آپ مجھے؟’’ میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

‘‘صدیوں سے۔’’ اس نے اطمینان سے کہا۔

‘‘میں مذاق نہیں کر رہی ہوں موی۔’’ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

‘‘میں بھی نہیں کر رہا۔’’

‘‘پھر تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دے رہے ہو۔’’

‘‘جواب تو دیا ہے یہ الگ بات ہے کہ تم اسے ماننے پر تیار نہیں۔’’

‘‘کیا تم ہماری کالونی میں رہتے ہو؟’’

‘‘ہاں۔’’

‘‘کہاں؟’’

‘‘دائیں بائیں...... آمنے سامنے...... کہیں نہ کہیں۔’’ اس نے گنگناتے ہوئے کہا۔

‘‘تم پھر مذاق کر رہے ہو۔’’

‘‘نہیں...... سیریس ہوں کہا تو ہے کہ ہاں......’’

‘‘مہر...... مہر......’’ میں بے اختیار چونکی۔

‘‘جی بابا۔’’

‘‘بیٹا دھیان کہاں ہے؟...... ناشتہ نہیں کر رہی۔’’

"جی میں کر رہی ہوں۔"

"آج کل پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے اسے......" میں نے امی کی بات خاموشی سے سنی اور چائے بنانے لگی۔

"قہوہ کب سے پینا شروع کر دیا تم نے؟" میں بابا کی بات پر یک دم گڑبڑائی اور اپنا کپ نیچے کر کے دیکھا۔ میں دودھ ڈالنا بھول گئی تھی۔

"آج ہی......بس دل چاہ رہا ہے اس لیے۔" میں نے جھوٹ بولا اور قہوے کا کڑوا گھونٹ مسکراتے ہوئے بھرا۔

"میرا حلق نیچے تک کڑوا ہو گیا۔" جو لوگ قہوہ پیتے ہیں وہ اس میں چینی ڈال کر پیتے ہیں۔ بابا نے بڑی رسانیت سے کہا۔ میں نے کپ رکھ کر اس میں ایک چمچ چینی ڈال لی مگر دوسرا گھونٹ بھرنے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں۔

"بابا چلیں ..... کالج سے دیر ہو رہی ہے۔" میں نے یک دم ناشتہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

"پہلے تم اپنا ناشتہ ختم کرو اس کے بعد کرسی سے اٹھنا" امی نے ناراضگی سے کہا۔

مجھے کھانے پینے کا پہلے بھی شوق نہیں تھا مگر ان دنوں میری بھوک مکمل طور پر غائب ہو گئی تھی۔ میں نے زندگی میں کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ مجھے کبھی کچھ اپنے ماں باپ سے چھپ کر کرنا پڑے گا...... میں کبھی اپنے ماں باپ کو دھوکہ دوں گی...... ان کے اعتبار کو ٹھیس پہنچاؤں گی..... مگر سوچا تو میں نے یہ بھی نہیں تھا کہ میں کبھی کسی کی محبت میں گرفتار ہو جاؤں گی اور میرے اپنے لفظ کھوکھلے ہو کر میرے آگے پیچھے ناچیں گے...... پر شاید اسے ہی قسمت کہتے ہیں یا پھر بدقسمتی۔

مومی اب ایک خاص وقت پر فون کیا کرتا تھا اس نے **Dumb Calls** کرنی چھوڑ دی تھیں اور جس وقت اس کا فون آنا ہوتا میں لاؤنج میں آ جاتی...... اگر کبھی اسے فون کرنے میں کچھ دیر ہو جاتی تو میں جلے پاؤں کی بلی کی طرح لاؤنج کے چکر کاٹتی۔

"تمہیں پتہ ہے میں تم سے کیوں محبت کرتا ہوں؟"

"کیوں؟"

"کیونکہ تم آج کل کی لڑکیوں سے مختلف ہو۔" اس نے میرے لیے وہی جملہ بولا تھا جو میں سینکڑوں بار بہت سے لوگوں سے سن چکی تھی مگر اس دن مجھے لگا میں نے زندگی میں پہلی بار کسی سے وہ جملہ سنا تھا۔

"مجھے ایسی ہی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں...... جو تمہاری طرح ہوں...... عبادت گزار، نیک، باحیا، پرہیزگار، پارسا۔" میں چپ چاپ اس کی بات سنتی رہی۔

"لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے...... مجھے اچھا لگتا ہے کہ تم پردہ کرتی ہو۔" میں اب بھی خاموش تھی۔

"شادی کے بعد بھی کرو گی؟" اس نے یک دم پوچھا۔

"کیا؟" میں چونکی۔

"پردہ۔"

"ظاہر ہے۔"

"اور اگر تمہارے شوہر نے تمہیں مجبور کیا کہ نہ کرو تو؟"

"تو...... پتہ نہیں......"

"پتہ نہیں کیا؟"

"میری امی اور بابا میرے لیے ایسی ہی فیملی کا انتخاب کریں گے جو لوگ ہمارے ہی جیسے ہوں۔"

"اور تم لوگ کیسے ہو؟"

"ہم لوگ کیسے ہیں؟" مجھے اس کا سوال عجیب لگا۔

"یعنی مذہبی۔" اس نے خود ہی چند لمحوں کے بعد ہی۔ "ہاں۔" "میری فیملی بھی بہت مذہبی ہے۔" اس نے یک دم کہا۔

میں خاموش رہی اس بار وہ بھی خاموش ہو گیا۔

مومی دوسرے لڑکوں سے مختلف تھا۔ میری طرح ہر لڑکی محبت میں گرفتار ہونے کے بعد یہی کہتی ہے...... اور میں...... میں آخر اور کتنے لڑکوں کو جانتی تھی کہ یہ کہہ سکتی کہ وہ دوسرے

لڑکوں سے مختلف تھا...... اس نے مجھے انھیں سارے ہتھکنڈوں کے ساتھ زیر کیا تھا۔ جنھیں دوسرے لڑکے استعمال کرتے تھے اور میں...... میں پھر بھی سمجھتی تھی کہ وہ دوسروں سے مختلف ہے...... کیونکہ میں اس سے محبت کرتی تھی...... اندھی محبت اور میں اس سے محبت اس لیے کرتی تھی کیونکہ...... کیونکہ...... پتہ نہیں ہم سب کسی نہ کسی سے محبت کس لیے کرتے ہیں؟

............❀............

''مرد جس سے محبت کرتا ہے...... واقعی محبت کرتا ہے اس سے شادی کر لیتا ہے۔''

''90 فیصد کیسز میں مرد ایسا نہیں کرتا'' کیونکہ 90 فیصد کیسز میں مرد محبت نہیں کرتا صرف فلرٹ کرتا ہے۔

''مگر بعض دفعہ محبت کرنے کے باوجود مرد کچھ مجبوریوں کی وجہ سے شادی نہیں کر پاتا۔''

''مرد اور مجبور؟...... جو مرد خود کو مجبور کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔''

وہ سب اس دن پھر بحث کر رہی تھیں اور میں ہمیشہ کی طرح چپ چاپ ان تینوں کی بحث سن رہی تھی۔

''تم انسانی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو...... مرد کو جب بھی کسی عورت سے محبت ہوئی ہے...... حقیقی محبت...... تو اس نے ہر قیمت پر اس کو پانے کی کوشش کی ہے...... اسے دولت سے ہاتھ دھونے پڑے ہیں تو اس نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی...... جان داؤ پر لگانی پڑی ہے تو وہ اس حد تک بھی گیا ہے...... تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انسانی تاریخ کے اس حصے میں اب مرد عورت سے شادی کے بارے میں مجبور ہو گیا ہے...... مجبوری کا تعلق کمزوری سے ہوتا ہے اور اگر ہم آج مرد کو مجبور مانتے ہیں تو کیا پھر اسے کمزور بھی مان لیں۔'' سمیعہ مقرر تھی اور جب وہ بولنے پر آتی تو اس کو چپ کروانا مشکل ہو جاتا۔

''تم سمجھتی ہو اگر شادی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت سچی نہیں تھی؟'' اس کے مدمقابل صوبیہ تھی اور وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی اس کا اور سمیعہ کا کسی ایک بات پر متفق ہونا ناممکن ہوتا تھا۔

''دیکھو مرد اگر کسی عورت سے محبت کرتا ہے اور پھر اس سے شادی نہیں کرتا تو اس کا

مطلب کیا ہے؟...... اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عورت کو کسی دوسرے مرد کی بیوی بننے کے لیے چھوڑ رہا ہے اور جس عورت سے مرد محبت کرتا ہے وہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ اس عورت کو کوئی دوسرا مرد دیکھے، چھوئے وہ کسی دوسرے مرد کے گھر میں ہو...... امپاسبل...... عورت کسی مرد سے محبت کرتی ہو تو اسے کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی...... مرد تو پھر مرد ہے۔''

''مگر ہماری سوسائٹی میں مرد پر اتنے پریشر ہوتے ہیں کہ وہ بعض دفعہ چاہتے ہوئے بھی اپنی پسند کی عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔'' صوبیہ نے کہا۔

''پہلے تو یہ طے کر لو کہ پسند کی عورت اور وہ عورت جس سے محبت ہو میں کیا فرق ہوتا ہے۔'' پسند کی عورت کا مطلب ہے کہ کچھ کوالٹیز آپ کو عورتوں میں اچھی لگتی ہیں تو ان کوالٹیز کی عورتوں میں سے اگر کسی عورت سے شادی ہو جائے ٹھیک ہے اور اگر پریشر ہو اور شادی نہیں ہوتی تو بھی ٹھیک ہے...... یہ ہوتی ہے پسند...... محبت کا مطلب ہے کہ کوئی ''ایک'' عورت ہے جس سے آپ کسی خاص وجہ سے محبت کرتے ہیں...... یا بغیر کسی وجہ کے محبت کر رہے ہیں اور وہ ایک ہی ہوتی ہے۔ مرد جانتا ہے وہ مل جائے تو ساری زندگی کے لیے...... نہ ملے تو ساری زندگی کے لیے...... تو پھر وہ اس ایک عورت کو پانے کے لیے کیا نہیں کرتا...... یہ دل کا معاملہ ہوتا ہے اور دل کے معاملے میں وہ کسی پریشر کو نہیں دیکھتا کیونکہ مرد بنیادی طور پر خود غرض ہوتا ہے۔ اس کے لیے اپنی ذات سب سے اہم ہوتی ہے اور وہ جانتا ہے اس کی خوشی کا تعلق اس عورت کے حصول سے ہے "It's simple" اس نے کندھے اُچکا کر بات ختم کی۔

''تم کچھ نہیں کہو گی مہر؟'' صوبیہ نے مجھے مخاطب کیا۔

''مہر کیا کہے گی...... مہر کو تو محبت پر ہی یقین نہیں ہے تو یہ شادی وغیرہ کی بات تو بعد میں آتی ہے۔'' سمیعہ نے مہر کے کچھ کہنے سے پہلے کہا میں خاموش رہی...... ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ میں اب "Non-believer" نہیں رہی تھی۔

''ویسے تم نے نوٹ کیا ہے مہر پچھلے چند ہفتوں سے کچھ بدلی بدلی نظر آ رہی ہے۔''

میں ثناء کی بات پر گڑبڑا گئی۔

''اچھا......؟...... میں سمجھ رہی تھی یہ صرف میرا ہی احساس ہے۔''سمیعہ نے بھی مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر یہ مہر نہ ہوتی تو میں کہہ دیتی کہ یقیناً یہ کسی سے محبت کے اثرات ہیں مگر مہر کو تو میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی۔'' صوبیہ نے شوخی سے کہا۔ سمیعہ اور ثنا اس کی بات پر مسکرائیں۔ میں کوشش کے باوجود مسکرا نہیں سکی۔ میں ان سے کیا کہتی کہ مہر کی زندگی کی فلاسفی بدل گئی ہے...... مہر بدل گئی ہے...... یا پھر دنیا بدل گئی ہے...... مہر کی دنیا۔

یا پھر یہ کہتی کہ مہر اب ایک نئی دنیا میں جینے لگی ہے...... خوابوں اور خیالوں کی دنیا...... رنگوں اور روشنیوں کی دنیا...... کانچ کی دنیا......

میرے ہونٹوں پر یک دم چپ لگ گئی تھی اور میں غائب دماغ رہنے لگی تھی۔ کوئی مجھ سے یہ کہتا نہ کہتا...... مجھے بتاتا نہ بتاتا...... میں تب بھی جانتی تھی کہ میں اب ذہنی طور پر ہر وقت کہیں اور رہتی تھی...... اس ایک آواز کے ساتھ...... اس ایک شخص کو سوچتے ہوئے...... اس ایک آدمی کو تصور میں لاتے ہوئے میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتی تھی۔

ہر رات اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو اگلے کئی گھنٹے درجنوں بار میرے ذہن میں گونجتی تھی...... درجنوں بار میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آتی تھی...... درجنوں بار میں گرد و پیش سے بے خبر ہو جاتی تھی۔

میں زندگی میں پہلی بار محبت کے تجربے سے گزر رہی تھی...... تب میں یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ تجربہ میرے لیے پہلا اور آخری بھی ثابت ہونے والا تھا۔

''اچھا اب فون بند کر دو۔'' میں نے دس منٹ میں کوئی دسویں بار صوبیہ سے کہا۔

''آخر تمھیں ہو کیا گیا ہے؟'' وہ جھلائی۔

''پہلے تو کبھی تم اتنی Rude نہیں ہوتی تھی۔'' "Rude" میں حیرت زدہ رہ گئی۔

''میں Rude تو نہیں ہوئی۔'' میں نے کچھ حیرانگی سے صوبیہ سے کہا۔

''تو پھر کیوں اس طرح فون بند کرنا چاہتی ہو...... کیا آنٹی نے کوئی پابندی لگا دی ہے تم پر؟'' صوبیہ نے فوراً سے پہلے ایک دوسرا نتیجہ اخذ کیا۔

''کس چیز پر پابندی؟'' مجھے اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

''مجھ سے لمبی بات پر پابندی...... یا پھر فون پر لمبی بات پر پابندی۔'' میں ہنس پڑی۔

''دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے اسے جیسے تسلی دی۔

''پھر؟''

''پھر میں یہ کہ مجھے خود ہی خیال آ رہا تھا کہ ہم فون پر ضرورت سے زیادہ دیر تک لمبی گفتگو کرتے ہیں۔'' میں نے بہانہ گھڑا۔

''اتنے سالوں کے بعد اب تمھیں یہ خیال آ رہا ہے کہ ہم فون پر لمبی گفتگو کرتے ہیں۔'' وہ مطمئن نہیں ہوئی۔ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو مطمئن نہ ہوتا۔ مگر مجھے اس وقت اس کو مطمئن کرنے میں کوئی دلچسپی تھی بھی نہیں...... میں تو جلد از جلد فون رکھ دینا چاہتی تھی...... مومی اسی وقت فون کیا کرتا تھا...... اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ میں صوبیہ سے فون پر بات کر کے فارغ ہوتی اور اس کا فون آ جاتا...... اور اس کی لگاتار آنے والی کالز نے برسوں سے چلی آنے والی اس روٹین کو خراب کر دیا تھا جسے میں اور صوبیہ نے بڑے شوق اور محبت سے بنایا تھا۔ ہم لوگ ہر رات ایک ڈیڑھ گھنٹہ آپس میں بات کیا کرتے تھے...... روز کالج میں ملنے کے باوجود...... کبھی بے مقصد اور بے سروپا باتیں کرتے...... وہ مجھے اپنے افیئرز اور بوائے فرینڈز کے بارے میں بتاتی جن کے ساتھ وہ کالج کے بعد کہیں گھومنے جاتی تھی۔ اس کے پیرنٹس کو لڑکوں کے ساتھ اس کی دوستیوں کا پتہ تھا مگر وہ جس کلاس سے تعلق رکھتے تھے وہاں یہ دوستیاں ایک عام اور نارمل چیز سمجھی جاتی ہیں...... البتہ ان کا نہ ہونا ایک ابنارمل چیز ہوتا ہے۔

وہ ہر رات کو مجھے کالج کے بعد رات تک اپنی سرگرمیوں کی تفصیلات بتاتی...... اور میں اسے گھر میں کیے جانے والے ہر کام کی۔

اور اب یک دم یہ روٹین خراب ہونے لگی تھی...... مجھے رات کے وقت صرف ایک کال کا انتظار رہتا تھا۔ مومی کی کال کا...... اور مجھے صوبیہ کی کال سے الجھن ہوتی...... میں

ہمیشہ یہی چاہتی کہ وہ جلد از جلد فون رکھ دے تا کہ موبی کال کر سکے...... اور صوبیہ نے میرے لہجے میں آنے والی اس تبدیلی کو چند دنوں میں ہی نوٹ کر لیا تھا اور اب وہ مجھ سے وجہ پوچھ رہی تھی اور میں اسے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تم اس وقت کسی اور کو کال کرتی ہو؟'' اس نے یک دم بات بدلتے ہوئے کہا۔

میں ایک لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی اس طرح کا کوئی نتیجہ اخذ کرے گی۔

''تم یہ کیوں کہہ رہی ہو؟'' میں نے اپنے لہجے پر قابو پاتے ہوئے معمول کے انداز میں کہا۔

''کیونکہ ایک دو بار میں فون رکھنے کے بعد کچھ یاد آنے پر تمھیں دوبارہ کال کرتی رہی ہوں مگر تمہارا فون انگیج ملتا ہے۔'' اس نے کہا۔

''اگر فون انگیج ملتا ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہر بار میں ہی فون استعمال کر رہی ہوں۔'' میں نے جان بوجھ کر لہجے میں کچھ خفگی لاتے ہوئے کہا۔

''تم کو پتہ ہونا چاہیے کہ میرے گھر میں میرے علاوہ بھی دو افراد رہتے ہیں اور ان میں سے ایک فرد یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ بابا فون کرتے ہوں گے یا ان کا کوئی فون آتا ہوگا۔'' غیر ارادی طور پر میری وضاحت لمبی ہوگئی تھی۔

''تم ناراض کیوں ہو رہی ہو؟'' صوبیہ نے میرے لہجے میں جھلکنے والی خفگی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''میں تو ایسے ہی کہہ رہی ہوں...... بس ذہن میں ایک بات آئی تو میں نے پوچھ لیا۔''

''مجھے لگا تم مجھ پر شک کر رہی ہو؟'' میں نے لہجے کو سخت رکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ کم آن مہر...... میں نے شک والی کیا بات کی ہے؟'' اس نے یک دم میری بات کاٹ کر احتجاج کیا۔

''میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی کہ تم کسی اور کو تو کال نہیں کرتی...... میرا مطلب تھا کسی اور فرینڈ یا کزن کو۔'' میں نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔

''میں کیا تمھیں جانتی نہیں کہ تم پر شک کروں گی...... تمھیں کیا لگا کہ میں کیا کہنا چاہ رہی تھی؟'' اس نے اس بار مجھ سے پوچھا۔

''میں نے سوچا شاید تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ میں کسی لڑکے کو فون کرتی ہوں۔'' میرے لاشعور نے میرا خوف میری زبان سے خدشے کی صورت میں اگلوایا تھا۔

''نہیں...... نہیں...... یہ میں کیسے کہہ سکتی ہوں؟'' صوبیہ نے بے اختیار وضاحت کی۔

''تم بھلا کیوں کسی لڑکے کو فون کرو گی...... میں تمہاری نیچر کو جانتی ہوں...... کوئی اور ہوتا تو میں شاید ایسا کچھ کہہ بھی دیتی...... مگر تم سے میں یہ نہیں کہہ سکتی۔'' مجھ پر جیسے گھڑوں پانی پڑا تھا۔ میں کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ آئینہ نے یک دم جیسے مجھے میرا عکس دکھایا تھا اور وہ عکس دیکھ کر مجھے شرم محسوس ہوئی تھی...... کیا میں نے منافقت کی سیڑھیاں چڑھنی شروع کر دی تھیں...... یا پھر میں نے اب زندگی میں پہلی بار جھوٹ کو عادت بنا لیا تھا...... کچھ نہ کچھ ایسا ضرور تھا جو میرے ساتھ غلط تھا...... یا پھر میں مکمل طور پر غلط تھی۔

ساتواں باب

انھیں دنوں صفیہ آنٹی کے ہمارے گھر میں چکر بڑھنے لگے تھے۔ اگر بات صرف چکروں تک ہوتی تو مجھے قابل اعتراض نہ لگتی۔ امی کا میل جول بہت سے لوگوں سے تھا اور ہمارے گھر بہت لوگوں کا آنا جانا تھا...... رشتہ داروں کا...... امی اور بابا کے جاننے والوں کا...... فیملی فرینڈز کا...... بابا کے کولیگز اور سٹوڈنٹس کا...... ہمیں مہمانداری کی عادت تھی...... اور میں نے شروع شروع میں صفیہ آنٹی کو بھی ایسا ہی مہمان سمجھا تھا جو چونکہ بہت عرصہ کے بعد امی سے دوبارہ ملنا شروع ہوئی تھیں اس لیے ان کا آنا جانا بھی زیادہ تھا۔

مگر مجھے پریشانی تب شروع ہوئی جب میں ان کی گفتگو کا مرکز بننے لگی اور ان کی باتوں میں ذومعنویت آنے لگی۔ وہ ہمارے گھر آتے ہی سب سے پہلے میرا ہی پوچھا کرتی تھیں اور مجھے ان کے پاس کافی دیر تک بیٹھنا پڑتا......اور ان کے پاس بیٹھنے کے دوران ان کی گفتگو کا موضوع ان کے بیٹے کی ذات ہوتی تھی...... پہلے میں سمجھتی تھی کہ وہ مراد کے بارے میں اس لیے بہت زیادہ بات کرتی ہیں کیونکہ مراد ان کا اکلوتا بیٹا ہے مگر پھر مجھے احساس ہوا کہ اکلوتے بیٹے کے بارے میں کوئی ماں عام طور پر اس طرح کی گفتگو نہیں کرتی جس طرح کی گفتگو وہ کرتی تھیں۔ وہ میرے لیے اپنی محبت کا اظہار اکثر تحفے تحائف سے بھی کرتی تھیں اور ان کے یہ تحفے تحائف مجھے خوش کرنے کی بجائے پریشان کرنے لگتے۔ میری چھٹی حِس مجھے کچھ عجیب سے سگنلز دینے لگی تھی۔ میں بچی نہیں تھی کہ ان کے اس التفات کو صرف التفات ہی سمجھتی...... مگر میں جان بوجھ کر ہر چیز سے انجان بنی رہنا چاہتی تھی...... امی اور بابا بھی صفیہ آنٹی کے اصرار پر چند بار ان کے گھر گئے اور واپسی پر ان کے تاثرات بھی تبدیل شدہ تھے...... مراد کا ذکر ہمارے گھر میں اب کئی بار تب بھی ہونے لگا تھا جب صفیہ آنٹی ہمارے گھر نہیں بھی ہوتی تھیں اور اس سب کے باوجود میں اپنے دل کو یہی تسلی دینے میں مصروف رہتی تھی کہ اس سب کا میری شادی سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ابھی تو میں نے اپنی تعلیم بھی مکمل نہیں کی اور پھر ابھی مجھے یونیورسٹی سے ماسٹرز کرنا ہے......اور بابا نے ایک بار میرے سامنے کہا تھا کہ وہ میری تعلیم کے دوران میری شادی کے سلسلے میں کسی قسم کی کوئی بات کریں گے نہ ہی منگنی وغیرہ کا کوئی سلسلہ کریں گے...... میں ہر بار ایسے سگنلز کو اپنا وہم سمجھ کر جھٹکتی رہی اور بار بار ان سب باتوں کے بارے میں سوچتی رہتی جو بابا اور امی نے وقتاً فوقتاً میری شادی کے بارے میں کی تھیں...... کسی ایک بات سے بھی یوں ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ عنقریب اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانے والے تھے۔

اگر مومی کے ساتھ فون پر میری بات چیت کا سلسلہ شروع نہ ہوا ہوتا تو میں آنٹی

صفیہ کی آمد کے بارے میں پریشان ہوتی نہ اپنی متوقع شادی اور منگنی کے بارے میں فکر مند...... مگر سارا فرق اس ایک شناسائی سے پڑا تھا جس نے میری زندگی کو تبدیل کر کے رکھ دیا تھا...... اس حد تک کہ میں ان دنوں شادی یا منگنی کے تصور سے بھی بدکنے لگی تھی...... آخر یہ کیسے ممکن تھا کہ میں مومی کے علاوہ کسی اور سے...... تو کیا میں مومی سے......؟

"تم مجھ سے باہر کہیں ملو۔" میں اس دن اس کے مطالبے پر دھک سے رہ گئی۔

"کس لیے؟" "کس لیے؟......" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا پھر اس نے کہا۔

"باتیں کریں گے...... گھومیں پھریں گے۔"

"باتیں تو ہم فون پر بھی کرتے ہیں۔"

"مگر فون پر ہم گھوم پھر تو نہیں سکتے۔"

"پر اس کی ضرورت بھی کیا ہے؟"

"کیوں ضرورت نہیں ہے...... میں تمھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم تو پہلے ہی مجھے دیکھ چکے ہو۔" وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔

"ہاں...... مگر پھر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیا تم مجھے دیکھنا نہیں چاہتی؟" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"نہیں۔" واقعی اس لمحے میں نے سوچا...... آخر اتنے عرصے سے اس سے باتیں کرنے کے باوجود کبھی اس کو دیکھنے کی خواہش میرے دل میں پیدا کیوں نہیں ہوئی۔

"تم عجیب لڑکی ہو تمہارا دل نہیں چاہتا تم مجھے دیکھو۔" مومی بے حد حیران ہوا تھا۔

"نہیں۔" "مگر میں تمھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے جیسے ضد کی۔

"تم کالج کے باہر آؤ اور مجھے دیکھ لو......" میں نے اس سے کہا۔

"مگر میں تمھیں پہچانوں گا کیسے؟" اس نے بے اختیار کہا۔ میں ایک بار پھر حیران ہوئی۔

"تم پہچانتے تو ہو مجھے۔"

"ہاں...... ہاں پہچانتا ہوں...... مگر میں صرف دیکھنا نہیں چاہتا میں تو ملنا چاہتا ہوں۔" وہ گڑبڑایا۔

"مگر میں تم سے اکیلے کہیں نہیں مل سکتی۔"

"کیوں؟" "ایک غلط کام کر رہی ہوں میں دوسرا غلط کام نہیں کر سکتی۔"

"مجھ سے محبت غلط کام ہے۔" اس نے شکوہ کیا۔

"نہیں اس طرح ملنا غلط کام ہے۔"

"میں تمھیں کہاں بلوا رہا ہوں می کسی کھلی جگہ پر...... سب لوگوں کے سامنے...... تمھیں اعتبار نہیں ہے مجھ پر۔"

"کوئی دیکھ لے گا تو میرے لیے اور مصیبت آئے گی۔"

"کراچی جیسے بڑے شہر میں تمھیں کون دیکھے گا؟"

"میں پھر بھی تم سے نہیں مل سکتی۔"

"ٹھیک ہے پھر میں فون بند کر رہا ہوں۔" اس نے جیسے دھمکی دی۔

میں نے اس کے فون رکھنے سے پہلے فون بند کر دیا۔ مجھے اس پر غصہ آیا تھا۔ وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا...... میں نہیں ملنا چاہتی تھی تو وہ کیوں اس پر ضد کر رہا تھا اور پھر فون بند کرنے کی دھمکی...... میری آنکھوں میں آنسو آنے لگے...... وہ جانتا تھا کہ میں اس کے فون کا انتظار کرتی ہوں اور اس کو یہ آگہی دینے والی میں خود تھی...... اب اگر وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا تو...... اس رات میں دیر تک روتی رہی۔ آخر اس نے ایسی بات کیوں کہی تھی...... میں نے تو اسے عام لڑکا نہیں سمجھا تھا مگر وہ...... وہ عام لڑکوں کی طرح...... مجھے اس کی بات کے بارے میں

سوچ کر اور رونا آیا...... یہ واحد کام تھا جو میں بڑی آسانی سے کرتی تھی...... آنسو...... آنسو...... آنسو لڑکیوں کے پاس اس سے زیادہ اچھا ساتھی بھی تو نہیں ہوتا۔

میں اس کو کیا سمجھنے لگی تھی اور وہ مجھ سے کیا کہہ رہا تھا...... مزید آنسو...... مزید رونا...... آخر اس کو اس بات کا احساس کیوں نہیں تھا کہ وہ مجھ سے ایک غلط بات کا مطالبہ کر رہا تھا...... باہر ملنا...... آنسو، آنسو، آنسو...... اور اگر میں نہیں ملوں گی تو وہ مجھ سے بات نہیں کرے گا...... اور میں...... میں **Scorpion** کے بارے میں پڑھ پڑھ کر پاگل ہو رہی تھی...... اور اب تو میری ان کے لیے نفرت بھی ختم ہو گئی تھی...... اور میں پچھلے ہفتے دو سوٹ خرید کر لائی اور دونوں **White**...... کسی اور کلر کی طرف میرا دھیان ہی نہیں گیا...... اور مجھے چکن پسند نہیں تھا اور اب میں پچھلے تین ہفتے سے ہر دوسرے دن چکن کھا رہی تھی...... فرائیڈ چکن...... اور میں پیپسی پیتے پیتے سپرائٹ پینا شروع ہو گئی تھی اور میں اپنے کالج بیگ میں لیمن رکھنے لگی تھی جسے میں روز سپرائٹ میں نچوڑ کر پیتی...... اور اپنی فرینڈز کے مذاق کا نشانہ بنتی اور وہ...... وہ کہہ رہا تھا کہ میں اگر اس سے نہیں ملوں گی تو وہ مجھے فون نہیں کرے گا۔ اس رات میں ہچکیوں سے روئی...... آخر اس نے مجھ سے ایسی بات کیوں کی تھی؟

مجھے توقع تھی کہ اگلے دن اس کا فون نہیں آئے گا مگر خلاف توقع اگلے دن اس کا فون آ گیا تھا۔ مجھے اس کی آواز سنتے ہی ایک بار پھر رونا آیا۔ وہ چونکا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔''

''تم رو رہی ہو؟''

''نہیں۔''

''پھر آواز کو کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ کچھ دیر چپ رہا پھر اس نے کہا۔

''کل فون کیوں بند کر دیا تم نے؟''

''میں نہیں کرتی تو تم کر دیتے۔''

''مگر کیا تو تم نے۔''

''مگر کرنے والے تو تم تھے۔''

''تم ناراض ہو؟'' اسے اچانک خیال آیا۔

''نہیں۔''

''اور رو رہی ہو۔''

''نہیں۔''

''اس لیے کہ میں نے تم سے ملنے کے لیے کہا؟'' میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''میرے خدا...... اب اتنی سی بات پر اس طرح رونے والی کیا بات ہے۔''

''یہ میرے لیے اتنی سی بات نہیں ہے۔''

''اچھا رونا تو بند کرو۔''

''میں رو نہیں رہی ہوں۔'' میں نے روتے ہوئے کہا۔

''تم جو بھی کر رہی ہو اسے بند کر دو۔'' میں نے فون بند کر دیا۔ فوراً سے پہلے گھنٹی دوبارہ بجی۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھایا۔

''فون کیوں بند کر دیا؟''

''تم نے خود کہا تھا جو بھی کر رہی ہوں بند کر دوں۔'' میں نے اسی طرح روتے ہوئے کہا۔

''میں نے رونا بند کرنے کے لیے کہا تھا۔''

''اور میں نے تمھیں بتایا تھا کہ میں رو نہیں رہی ہوں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''اچھا روتی رہو مگر بات کرو۔'' میں اپنا چہرہ رگڑنے لگی۔

''میں نے ایسا کون سا غلط مطالبہ کر دیا تھا تم سے...... لاکھوں لڑکے لڑکیاں ملتے ہیں آپس میں۔''

''ملتے ہوں گے میں نہیں مل سکتی۔''

''اگر ہم مل نہیں سکتے تو پھر ہمارے فون کرنے کا مقصد کیا ہے؟''

''مجھے تو نہیں پتہ تم نے مجھے فون کرنا شروع کیا تھا۔''

''ہاں میں نے ہی کرنا شروع کیا تھا۔'' وہ بڑبڑایا۔

پتہ نہیں اس وقت میرے ذہن میں کیا آیا شاید میں اسے ''پرکھنا'' چاہتی تھی...... ''آزمانا'' چاہتی تھی...... یا پھر صرف ''پانا'' چاہتی تھی...... جو بھی تھا بہرحال میں نے اس سے کہا۔ ''تم مجھ سے شادی کر سکتے ہو؟'' دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''جو مرد محبت نہیں کرتا وہ شادی بھی نہیں کرتا۔'' سمیعہ کی آواز میرے دماغ میں گونجی تھی اور میرا دل بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

''ہاں...... کر سکتا ہوں...... کب؟'' اس نے کچھ دیر بعد ہنس کر کہا۔ مجھے لگا اس نے میری بات کو مذاق سمجھا ہے۔

''میں مذاق نہیں کر رہی موی۔''

''تو میں کب مذاق کر رہا ہوں؟''

''تم اپنے گھر والوں سے میرے بارے میں بات کرو۔''

''میرے گھر والے میری شادی وہیں کریں گے جہاں میں چاہوں گا۔''

''تو پھر تم ان سے بات کرو۔''

''اوکے میں بات کروں گا۔'' میرے آنسو یک دم تھمنے لگے۔ کم از کم وہ محبت میں جھوٹا نہیں تھا۔ میرا دل خوشی سے اُچھل رہا تھا۔

''شادی کا وعدہ کرنے اور شادی کرنے میں فرق ہوتا ہے۔'' سمیعہ کا ایک اور جملہ اس

وقت میرے ذہن میں گونجا تھا۔ مگر میں نے اسے جھٹک دیا۔ موی نے شادی کا وعدہ کر لیا تھا تو وہ شادی بھی کرلے گا۔ میں نے خود کو تسلی دی۔ میں مطمئن ہو گئی موی نے اس رات دوبارہ باہر ملنے کے بارے میں نہیں کہا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اسے میری فیلنگز کا احساس ہو گیا تھا۔

میرے موڈ میں یک دم ہی خوشگوار تبدیلی آئی تھی...... اور اس تبدیلی کو ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے میری فرینڈز نے نوٹ کیا تھا۔

''آج کل بڑا چہکنے لگی ہو تم مہر۔'' اس دن کالج گراؤنڈ میں آ کر بیٹھتے ہی سمیعہ نے سب سے پہلے مجھے کہا۔

''ہاں آج کل واقعی یہ بڑی خوش رہنے لگی ہے ورنہ پچھلے کچھ ہفتوں سے تو بالکل چپ ہی ہو گئی تھی۔'' اس بار ثنا نے تبصرہ کیا۔ میں صرف مسکراتی رہی۔

''آخر کیا بات ہے کہ تمھارے قہقہے بند ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔'' میں صوبیہ کی بات پر یک دم ہنس پڑی۔

''میں تو ہمیشہ ہی ایسے ہی ہنستی تھی صرف تم لوگوں نے اب نوٹ کیا ہے۔'' میں نے جھوٹ بولا۔

''خیر یہ تو ٹھیک نہیں ہے مانا کہ تم ہنستی پہلے بھی تھی مگر اب تمہاری ہنسی کچھ زیادہ خوبصورت ہو گئی ہے۔'' سمیعہ نے میرے چہرے کا غور سے جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''اور تمہارا چہرہ بھی بہت چمکنے لگا ہے آج کل...... رنگت بھی دیکھو کیسے سرخ ہو رہی ہے۔'' اس بار یہ ثنا تھی۔

''اب یا تو تم کوئی بہت اچھی فاؤنڈیشن یا بلش آن استعمال کرنے لگی ہو۔'' صوبیہ نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''یا پھر یہ مان لو کہ تم واقعی آج کل بہت خوبصورت ہو گئی ہو...... اور تم پر یہ فرض ہے

کہ تم اپنی فرینڈز کو اپنی خوبصورتی کے راز سے آگاہ کرو۔'' صوبیہ نے جیسے حکم دیا۔

''کوئی راز نہیں ہے...... بس میں خوش رہتی ہوں اس لیے خوبصورت لگ رہی ہوں تم لوگوں کو۔'' میں ایک بار پھر بے اختیار ہنسی۔

''تو ہم کیا ہر وقت روتے رہتے ہیں؟'' سمیعہ نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

''کہ ہمارے چہرے پر نحوست طاری رہتی ہے...... نہیں مہر سچ سچ بتاؤ...... کیا چیز ہے......'' سمیعہ نے میرے کندھے کو جھنجھوڑا۔

''کوئی چیز نہیں ہے سچ کہہ رہی ہوں۔'' میں نے اپنا کندھا چھڑاتے ہوئے کہا۔

''کہیں تمھارے پیرنٹس تمہاری بات تو طے نہیں کر رہے؟'' ثنا نے یک دم اپنا خیال ظاہر کیا۔ میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''عجیب باتیں مت کرو...... ایسا کچھ نہیں ہو رہا...... اور ہو گا بھی تو سب سے پہلے تم لوگوں کو ہی بتاؤں گی۔'' میں نے ہلکی سی خفگی کے ساتھ کہا مگر وہ واقعی اُڑتی چڑیا کے پَر گن لیتی تھیں۔ میں نے اپنے دل میں اعتراف کیا۔

''تم کہتی ہو تو مان لیتے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں مگر اس بات پر مجھے یقین نہیں آ رہا کہ منگنی طے ہونے پر سب سے پہلے تم ہمیں بتاؤ گی۔'' صوبیہ نے مشکوک سے لہجے میں کہا۔

''مجھے تو لگتا ہے تم تو ہمیں اپنی شادی پر بھی نہیں بلاؤ گی۔''

''فضول باتیں مت کرو...... تمھیں ہمیشہ میرے بارے میں ایسے ہی خدشات ستاتے رہتے ہیں۔'' میں اس بار واقعی صوبیہ سے ناراض ہو گئی۔

''کبھی ان دونوں سے بھی ایسی باتیں کیا کرو...... ہمیشہ مجھے ہی یہ سب کچھ کیوں کہتی رہتی ہو۔'' میں نے سمیعہ اور ثنا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ان دونوں کے بارے میں تو سب کچھ مجھے پہلے ہی پتہ چلتا رہتا ہے بس ایک تمہارا پتہ نہیں چلتا۔'' صوبیہ نے اس بار جیسے پھر سوچ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''کینٹین چلیں؟'' میں نے یک دم بات کا موضوع بدلا۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں ان دنوں میں واقعی بہت خوش رہنے لگی تھی...... میرے کندھوں سے جیسے کوئی احساسِ جرم، کوئی بوجھ ہٹ گیا تھا...... یہ خیال، اور یقین کہ مومی اپنے پیرنٹس سے بات کرے گا اور اس کے پیرنٹس مومی کا پروپوزل لے کر میرے گھر آئیں گے...... مجھے ہر احساسِ جرم اور شرمندگی سے نجات دلانے کے لیے کافی تھا۔ میں اپنی غلطی سے واقف تھی اور مجھے لگتا تھا کہ مومی سے شادی کی صورت میں زندگی میں کی جانے والی یہ پہلی غلطی میرے لیے کوئی خلش یا کسک نہیں بن جائے گی...... میں بالآخر اسی ایک شخص کے ساتھ زندگی گزاروں گی جس کے ساتھ میں نے محبت کی وادی میں قدم رکھا تھا...... جس کو میرے دل نے دوسرے مردوں سے یک دم الگ کر کے ایک اور حیثیت ایک اور مرتبہ دے دیا تھا اور یہ احساس اگر میرے چہرے کو چمکانے لگا تھا تو میں آخر کیا کر سکتی تھی...... انسان دکھ چھپا سکتا ہے...... مگر خوشی...... خوشی کو کیسے چھپائے؟

مجھے زندگی میں کبھی محبت کو **Define** کرنا نہیں آیا۔ یہ کیا ہوتی ہے؟ کیوں ہوتی ہے؟ اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ اس کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے؟ میں کبھی ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکی۔ میں نے ان سوالوں کا جواب ڈھونڈنے کی کبھی کوشش بھی نہیں کی...... کون ہے جو ایک بار محبت میں گرفتار ہو جانے کے بعد خود سے یہ سارے سوالات کرتا ہے...... اور جو یہ سارے سوال کرتا ہے وہ بھی تب تک ہی کرتا ہے جب تک اسے خود کسی سے محبت نہ ہو جائے...... ایک بار یہ ہو جائے تو پھر انسان کے پاس سارے سوالات ختم ہو جاتے ہیں۔ اسے جیسے صبر آ جاتا ہے...... جیسے مجھے آ گیا تھا۔ میری قسمت میں تھا کہ میں ایک دن فون اٹھاؤں مومی سے بات کروں اور...... اور مجھے اس اور کے بعد ہونے والی ہر چیز پر شرمندگی تھی اور اس شرمندگی کو ختم کرنے کا واحد راستہ یہی تھا کہ میں اس شخص سے شادی کر لوں۔

اس رات کئی ہفتوں کے بعد میں نے ایک بار پھر تہجد پڑھی۔ خدا اور کسی وقت یاد آئے

یا نہ آئے دو موقعوں پر ضرور یاد آتا ہے...... جب کوئی چیز ''چھن'' جائے اور جب کچھ ''چاہیے'' ہو...... مجھے تب ''کچھ'' چاہیے تھا اور جو چاہیے تھا وہ دہلیز پر کھڑا نظر آ رہا تھا۔ مگر مجھے پھر بھی دعا کرنی تھی کیونکہ دعا دروازہ کھولتی ہے اور مجھے یقین تھا مہر سمیع کی دعا کو اللہ ضرور سنے گا۔

''تم نے ممی سے بات کی؟'' یہ جملہ جیسے میرا Pet Sentence بن گیا تھا۔

''میں چند دنوں تک بات کروں گا۔'' وہ ہر روز کہتا۔ میں پھر بھی ہر روز یہی سوال کرتی۔ ان دنوں یہ میری زندگی کا اہم ترین سوال تھا اور سب کچھ اسی ایک سوال سے وابستہ تھا۔

''میں ممی سے بات کروں گا می می تمھیں کیا لگتا ہے میں نہیں کروں گا؟'' اس نے ایک دن کہا شاید وہ میرے اس روز روز کے سوال کی گردان سے تنگ آ گیا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم کرو گے مگر کب؟''

''بہت جلدی۔''

مجھے مومی کا پتہ نہیں تھا مگر میں محبت کے بعد اب صرف شادی کرنا چاہتی تھی۔ صرف مومی سے شادی تھی جو میرے دل سے ندامت کے اس احساس کو ختم کر دیتی جو مجھے اس سے محبت کرنے کے بعد اکثر ہوتا تھا۔ تب جب میرے ماں باپ دوسروں کے سامنے میری مثالیں دیتے...... اور میرا دل وہاں سے غائب ہو جانے کو چاہتا اور جب میں یہ سوچتی کہ اگر مومی سے میری شادی نہ ہوئی تو...... اور اس تو کے بعد مجھے اندھیرے کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں اپنے دل میں ایک شخص کو رکھ کر کسی دوسرے شخص کے گھر میں کیسے رہ سکتی تھی اور اگر رہنے بھی لگتی تو اس دوسرے شخص سے نظر کیسے ملا سکتی تھی...... کیسے اسے دھوکہ دیتی...... اور پھر میں خود کو تسلی دیتی۔ ایسا کچھ نہیں ہونے والا تھا...... اللہ مہربان ہے۔ رحیم ہے دعائیں سننے والا ہے اور میری دعا تو ہمیشہ ہی قبول کرتا ہے پھر میں اس طرح کیوں سوچ رہی ہوں۔ میں اپنے سارے واہموں اور خدشات کو اپنے سر سے جھٹکتی اور ہم سب سمجھتے ہیں۔ واہموں اور

خدشات کو جھٹک دینے سے وہ ختم ہو جاتے ہیں...... کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے کیا بلی غائب ہو جاتی ہے؟

اس دن میں گھر پر اکیلی تھی۔ امی ہمارے ہمسائے انکل باری کے گھر پر تھیں اور بابا ابھی یونیورسٹی سے نہیں آئے تھے۔

فون کی گھنٹی بجنے پر فون میں نے اٹھایا۔ خلاف توقع وہ مومی تھا۔ مجھے حیرانگی ہوئی وہ اس وقت فون نہیں کرتا تھا۔ ''ہیلو می می...... میرے پاس تمھارے لیے ایک اچھی خبر ہے۔'' اس نے کہا۔ مجھے اس کی آواز سننے کے لیے بہت جدوجہد کرنی پڑی۔

''کیسی خبر اور تم کہاں سے فون کر رہے ہو؟''

''میں اس وقت بائیک پر ایک سڑک پر ہوں اور اپنے موبائل سے بات کر رہا ہوں...... ممی تمھارے گھر آنا چاہتی ہیں۔''

''کیا؟'' مجھے جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

''ہاں سچ کہہ رہا ہوں ممی تمھارے گھر آنا چاہتی ہیں۔''

''کب؟'' میں نے پوچھا اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دے مجھے ایک دھماکے کے ساتھ مومی کے چیخنے کی آواز آئی۔ خوف کی ایک لہر میرے وجود سے گزر گئی۔ وہ سڑک پر تھا اسے کیا ہوا تھا؟ میں بے اختیار فون ہاتھ میں لیے چلائی۔

''مومی...... مومی...... تم ٹھیک ہو؟'' موبائل سے اس کی چیخوں اور کراہوں کی آواز سنائی دے رہی تھی مگر وہ بول نہیں رہا تھا اور میرے وجود سے جیسے کوئی میری جان نکال رہا تھا۔

''مومی...... مومی...... خدا کے لیے کچھ بتاؤ...... کچھ بولو...... کیا ہوا ہے؟...... تم کہاں ہو؟...... میں آتی ہوں...... مومی...... مومی......''

میں بچوں کی طرح روتے ہوئے چلا رہی تھی اور تبھی میں نے کراہوں کے درمیان

اس کی آواز سنی۔

''می می...... می می'' وہ بمشکل بول رہا تھا۔

''مومی تم ٹھیک ہو؟...... تم ٹھیک ہو؟''

''نہیں...... می می...... میری بائیک کو ایک گاڑی نے ٹکر مار دی۔'' وہ لڑکھڑاتی آواز میں کراہتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اوہ میرے خدا۔'' ''میں...... میں...... خیابانِ شمشیر۔'' ...... وہ مجھے اب اس جگہ کی نشانی بتا رہا تھا۔

''وہاں ہوں...... میں مر...... مر رہا ہوں۔''

''پلیز...... پلیز مومی...... ایسا مت کہو۔'' میں گڑگڑائی۔

''تم...... تم...... میرے پاس آ جاؤ می می...... میں آخری بار تمھیں...... تمھیں...... دیکھنا چاہتا ہوں...... میرا سانس...... میرا سانس......'' اس کی آواز یک دم بند ہو گئی۔

''فار گاڈ سیک مومی...... بات کرو...... بات کرو مجھ سے۔'' مجھے اندازہ نہیں تھا۔ میں کتنا چلا چلا کر بات کر رہی تھی۔ یوں جیسے میں وہاں گھر پر نہیں تھی وہاں اس سڑک پر اس کے پاس بیٹھی اس کو جھنجھوڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''میرے اللہ...... میں کیا کروں؟...... میرے مومی کو کچھ نہ ہو...... مومی...... مومی......'' وہاں اب بھی کوئی آواز نہیں تھی۔ صرف ٹریفک کے گزرنے کی آوازیں تھیں۔ اور تب میں نے طے کر لیا میں وہاں جاؤں گی...... ابھی اور اسی وقت...... اس کو میری ضرورت تھی...... پوری دنیا میں اس وقت صرف وہی تھا جسے میری ضرورت تھی۔ مگر میں...... میں فون ہاتھ سے کیسے چھوڑتی؟...... اگر...... اگر وہ مجھے پھر پکارتا تو...... میں لاؤنج میں فون کا ریسیور لیے بلکتی ہوئی اس کو آوازیں دیتی رہی...... اور تبھی اچانک باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا...... بابا یونیورسٹی سے واپس آ گئے اور میرے گھر سے نکلنے کے سارے راستے مسدود ہو گئے تھے۔ مجھے اب فون بھی بند کرنا تھا...... میں دونوں ہاتھوں سے

ریسیور پکڑے بے بسی سے روتی رہی...... باہر گاڑی کا ہارن اب بار بار بج رہا تھا...... اور میں...... میں فون کا ریسیور نہیں رکھ پا رہی تھی۔

تب زندگی میں پہلی بار مجھے پتہ چلا کہ تلوار کی دھار پر چلنا کیسا ہوتا ہے...... زندگی اور موت کا سوال کیسے اٹھتا ہے؟...... **Hard choices** کیا ہوتی ہیں؟...... ایک قدم آگے بڑھانے پر کنواں اور پیچھے ہٹانے پر کھائی کیسے آتی ہے۔

میں نے فون کا ریسیور رکھ دیا۔ دوپٹے سے چہرے کو رگڑتے ہوئے میں لاؤنج سے بھاگتی ہوئی باہر گیٹ کھولنے گئی...... میں بابا کے ایک ہارن پر بھاگ کر دروازہ کھولا کرتی تھی اور آج وہ شاید پانچ منٹ ہارن دیتے رہے...... انھیں پریشان تو ہونا ہی تھا اور ان کی اس پریشانی میں اضافہ میرے چہرے نے کر دیا تھا۔ وہ گاڑی گیٹ سے اندر لاتے ہی اسے روک کر اتر گئے۔ ''تمھیں کیا ہوا؟'' وہ میری طرف آئے۔

''کچھ نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے بمشکل کہا۔

''کیا ٹھیک ہو؟...... چہرہ زرد ہو رہا ہے تمہارا...... اور تم...... تم رو رہی تھی۔'' بس ان کا اتنا کہنا کافی تھا میرے لیے...... میں اس سے زیادہ خود پر کنٹرول کیا کرتی۔ میں یک دم بلک بلک کر رونے لگی۔

''میری طبیعت خراب ہے بابا۔'' میں جھوٹ بولنے کے علاوہ کیا کرتی۔ بابا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''کیا ہوا؟ کیا ہوا مہر؟ کیا ہوا بیٹا؟'' میں انھیں کیا بتاتی کہ کیا ہوا ہے؟...... کیا ہو رہا ہے؟

''بابا میرے سر میں درد ہے......'' میں اسی طرح بلک بلک کر کہتی رہی۔ بابا اس قدر گھبرا گئے تھے کہ انھوں نے اسی وقت مجھے گاڑی میں بٹھایا اور گھر کھلا چھوڑ کر مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ میں ان کا سب سے قیمتی اثاثہ تھا...... مجھ سے بڑھ کر کس چیز کی حفاظت کرتے وہ۔ مگر میں ڈاکٹر کے پاس جانا نہیں چاہتی تھی...... میں بابا سے کہنا چاہتی تھی کہ کوئی اور ہے

جسے اس وقت ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ جو زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہے...... مگر میں اپنے ہونٹ سینے پر مجبور تھی...... اس ''کسی'' کا تعارف میرے باپ پر بجلی بن کر گرتا۔ ساری عمر میرے ناز اٹھانے والا مجھ پر فخر کرنے والا میرا باپ دنیا کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں رہتا...... آخر موی کون تھا میرا؟...... بوائے فرینڈ؟ محبوب؟ شناسا؟ آشنا؟ دنیا کی کوئی ایسی ڈکشنری نہیں تھی جس میں میں اس مرد کے اپنے باپ سے تعارف کے لیے کوئی ایسا لفظ ڈھونڈھ پاتی جو قابل اعتراض نہ ہوتا...... عورت اور مرد کے درمیان جب تک کوئی تعلق رشتہ نہیں بنتا وہ داغ دار ہی رہتا ہے...... سیاہ ہی نظر آتا ہے چاہے اسے دن کی روشنی میں دیکھیں یا چاندنی میں...... اور میں...... میں موی سے اقرار محبت کے باوجود ایک مشرقی لڑکی تھی...... ایک منافق مشرقی لڑکی...... جو محبت کو عزت پر ترجیح کبھی نہیں دے سکتی...... میں نے بھی نہیں دی...... باپ کے سامنے اپنا بھرم رہنے دیا۔ اس کے سر اور کندھوں کو اپنی غلطی کے اعتراف سے نہیں جھکایا...... اور بڑی بے رحمی سے اس شخص کو مر جانے دیا...... جو میرا کُل تھا...... ساری عمر کُل ہی رہا۔

❁......❁......❁

آٹھواں باب

''اب ٹھیک ہو تم؟...... بیٹا کیا ہو گیا؟...... کس بات کی ٹینشن لے لی؟'' میں نے آنکھیں کھولتے ہی امی کو اپنے بیڈ پر بیٹھے دیکھا۔ بابا ڈاکٹر سے بات کرتے کرتے میری طرف پلٹے اور میں نے ان کے چہرے پر اطمینان نمودار ہوتے دیکھا۔ میں کلینک کے ایک بیڈ پر تھی اور میرا پورا وجود بوجھل ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سی تھکن تھی جو مجھے محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں اور پھر یک دم آنکھیں کھولیں۔ مجھے موی کا خیال آیا تھا۔ میں اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا؟'' امی مجھے اس طرح اٹھتے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ کیا نہیں ہو گیا تھا۔

"مجھے کیا ہوا ہے؟" "ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ تمہارا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا وہ تو کہہ رہے تھے کہ اگر ہم تمھیں یہاں نہ لے آتے اور وہ تمھیں Sedate نہ کرتے تو تمھیں برین ہیمبرج ہو جانے کا خطرہ تھا۔ بابا نے پاس آتے ہوئے بتایا۔

"گھر چلیں بابا...... گھر چلیں۔" میں نے اپنی ٹانگوں سے چادر اتار دی۔

"اتنی صبح۔"

"صبح؟" میں نے حیرانگی سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"بیٹا 4 بج رہے ہیں۔"

"سہ پہر کے؟" "صبح کے؟" میں بے یقینی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ تم ساری شام اور ساری رات ٹرینکولائزرز کی وجہ سے بے ہوش رہی ہو...... میں اور تمھارے بابا تو پچھلی رات سے جاگ رہے ہیں۔" امی بتا رہی تھیں۔ میرے ہاتھ سے بستر کی چادر گر گئی...... 14 گھنٹے گزر گئے اور موی...... پتہ نہیں اس کو کسی نے اس سڑک سے اٹھایا بھی ہوگا یا نہیں...... پتہ نہیں اس نے وہاں میرا کتنا انتظار کیا ہوگا...... پتہ نہیں اس کو کتنی چوٹیں لگی ہوں گی کتنی تکلیف ہوئی ہوگی...... کتنا خون بہا ہوگا۔ وہ کہہ رہا تھا اس کی ٹانگوں کو چوٹ لگی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا اس کو سانس نہیں آ رہا تھا...... پتہ نہیں اس نے میرے بارے میں کیا سوچا ہوگا۔

"کیا ہوا ہے بیٹا؟...... کچھ تو بتاؤ...... ڈاکٹر کہہ رہا تھا تمھیں کوئی شاک لگا ہے...... کیسا شاک؟ میں تو تمھیں بالکل ٹھیک ٹھاک چھوڑ کر گئی تھی...... پھر کیا ہو گیا تمھیں۔" امی بات کرتے کرتے رونے لگیں۔

میں نے ان کے بہتے آنسوؤں کو دیکھا۔ میں ان کی اکلوتی بیٹی تھی وہ اس لیے رو رہی تھیں...... موی کی ممی بھی تو رو رہی ہوں گی وہ بھی تو ان کا اکلوتا بیٹا ہے...... بیٹا "ہے" یا...... پھر "تھا" میں نے امی کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچا۔

"یہ موی کون ہے؟" میں بے اختیار تھرائی بابا کرسی کھینچے میرے بیڈ کے پاس پریشانی کے عالم میں مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ ان کو موی کے بارے میں کیسے پتہ چلا...... میں نے تو موی کا نام تک...... "تم اس کا نام لے رہی تھی بار بار" بابا کہہ رہے تھے۔

میں گم صم ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ کب...... کس وقت میں نے اس کا نام لینا شروع کر

دیا تھا۔ شاید ٹرینکولائزرز کے زیر اثر مکمل طور پر بے ہوش ہونے سے پہلے...... کسی وقت...... مگر اب وہ نام میرے ماں باپ کے کانوں تک پہنچ چکا تھا۔

"کون ہے موی؟...... مجھے بتا دو مہر...... میں کچھ نہیں کہوں گا...... ڈرو مت۔" بابا مجھ سے کہہ رہے تھے۔ میں نے ان کا چہرہ دیکھا...... ان کی آنکھیں دیکھیں...... میرے باپ کی جان پر بنی ہوئی تھی...... کیا وہ دونوں واقعی موی کا تعارف چاہتے تھے؟...... اور اس تعارف کے بعد...... کوئی "بعد" نہیں رہنا تھا...... اگلے دن یونیورسٹی کے روسٹرم کے پیچھے کھڑے میرے باپ کے بالوں کی سفیدی دگنی نظر آنی تھی...... اس کے کندھے جھک جانے تھے...... اگلی بار نوجوان لڑکے لڑکیوں کو اخلاقیات پر لیکچر دیتے ہوئے ان کی نظروں کے سامنے سب سے پہلے میرا چہرہ آنا تھا اور ان کی آواز اور زبان نے لڑکھڑا جانا تھا...... اگلی بار گھر میں اتفاقاً آ جانے والی کوئی Dumb call ریسیو کرتے ہوئے انھوں نے سب سے پہلے میرا چہرہ دیکھنا تھا...... اگلی بار اپنے دوستوں کے درمیان اپنی اکلوتی بیٹی کے کردار کے بارے میں بات کرنے کے لیے ان کے پاس لفظ نہیں ہونے تھے...... اور جب پہلے کی طرح کوئی ان سے کہتا "یار مہر بیٹی بہت نیک اور معصوم ہے۔" تو پہلے کی طرح الحمدللہ کہنے کی بجائے ان کے ہونٹوں پر چپ لگ جانی تھی...... کیونکہ میں جانتی تھی میرا باپ منافق نہیں تھا اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ وہ مجھے بڑی آسانی کے ساتھ اس غلطی کے لیے معاف کر دیتا...... مگر انھوں نے ساری عمر اپنے آپ کو معاف نہیں کرنا تھا۔

"مہر مجھے بتا دو...... یہ موی کون ہے؟" بابا ایک بار پھر پوچھ رہے تھے۔

"موی...... موی...... ایک لڑکا تھا......" میں نے لڑکھڑاتی زبان میں کہنا شروع کیا۔ امی کا رنگ زرد ہو گیا۔ بابا کا وجود ساکت تھا۔

"وہ...... اپنی بائیک پہ...... سڑک پر جا رہا تھا! تو ایکسیڈنٹ ہوا اور......" میں رُک گئی۔ میری آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

"اور وہ مر گیا؟" بابا نے میری بات مکمل کی۔

"پتہ نہیں۔" میں رونے لگی۔

"پتہ نہیں۔"

“مگر یہ مومی ہے کون؟” امی کی آواز جیسے کسی کھائی سے آئی تھی۔

“تم کیسے جانتی ہو اسے؟” بابا کی آواز میں چیخ تھی۔

“میں نے...... میں نے TV پر دیکھا...... ڈرامے میں......” میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

“کوئی ایکٹر تھا؟” بابا نے بے یقینی سے کہا میں نے سر ہلا دیا۔

“اور تم...... مہر...... بیٹا ایک ڈرامہ دیکھ کر اتنا اثر لے لیا۔” بابا کرسی چھوڑ کر میرے پاس بیڈ پر آ گئے ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

“بابا اس کو بہت چوٹیں آئی تھیں۔” میں کم از کم اب اس کا نام لے سکتی تھی اس کے لیے آزادانہ رو سکتی تھی۔

“ڈرامے سچ تھوڑی ہوتے ہیں...... جھوٹ ہوتا ہے سب...... ایکٹنگ ہوتی ہے بیٹا...... اتنی بڑی ہو کر تم بچوں کی طرح...... میری جان...... میرا بیٹا۔” بابا مجھے سینے سے لگا کر تھپکنے لگے۔

“میں پہلے ہی کہہ رہی تھی کوئی لڑکا نہیں ہے...... آپ خوامخواہ ایک نام سن کر شک کر رہے ہیں۔” امی نے ناراضگی سے بابا سے کہا۔

“ہماری مہر ایسی لڑکی تھوڑی ہے...... اور تمھارے بابا نے دیکھو ساری رات اس کمرے میں ٹِک کر نہیں گزاری...... ان کو تم سے زیادہ اس بات کی پریشانی تھی کہ آخر مومی کون ہے؟” امی مجھے بتا رہی تھیں۔

“اور تم خود جو بار بار مجھ سے کہہ رہی تھی کہ وہ مومی نہیں می می کہہ رہی تھی...... مجھ سے جھوٹ بول رہی تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کسی لڑکے کا ہی نام لے رہی تھی۔”

“تو میں اور کیا کہتی کہ ہاں وہ کسی لڑکے کا ہی نام لے رہی ہے۔” امی نے قدرے خفگی سے بابا سے کہا۔

ان دونوں میں سے کوئی بھی اس وقت میری طرف متوجہ نہیں لگ رہا تھا۔ پوری رات میں بے ہوش رہی تھی مگر وہ دونوں...... مومی کا نام جیسے کوئی بھوت بن کر ان کو ڈراتا رہا ہوگا...... ان کی عزت کے درپے ہوگا اور اب وہ دونوں بچوں کی طرح ہنس رہے تھے...... بھوت غائب

ہو گیا تھا۔ ان کی “پیاری بیٹی” اب بھی “پیاری بیٹی” تھی...... “نیک”، “معصوم”، “پاک”، “شریف”، “باحیا”...... مجھے اپنے وجود سے “بے پناہ نفرت” محسوس ہوئی۔

اس دن کلینک سے گھر جاتے ہوئے گاڑی میں مجھے پتہ چلا کہ سناٹا کسے کہتے ہیں...... اور یہ انسان کے باہر سے اندر کیسے اترتا ہے۔ سڑک پر بے شمار گاڑیاں، لاتعداد بائیکس، اَن گنت انسان تھے اور ان میں سے کوئی ایک بھی...... مجھے لگ رہا تھا۔ وہاں جنگل اُگ آیا ہے...... میں ہر بائیک والے لڑکے کو دیکھتی مجھے لگتا ابھی کوئی گاڑی پھر کل رات کی طرح اس بائیک کو...... میں نے ہاتھ سے اپنی آنکھیں ڈھانپ لیں۔ دنیا میں اب دیکھنے کے لیے رہا ہی کیا تھا۔

“بابا۔” میں نے یک دم کہا۔ “ہاں بیٹا۔” “ہم خیابانِ شمشیر پر کیوں نہیں جاتے؟”

“پر بیٹا وہ تو بالکل دوسرے راستے پر ہے۔ ہمارا گھر تو دوسری طرف ہے۔” “ہاں مگر...... آپ وہاں جائیں...... ادھر سے گزر کر۔” بابا نے قدرے تشویش سے بیک ویو مرر سے مجھے دیکھا۔ پھر گاڑی موڑ لی۔

اور پھر ہماری گاڑی اس روڈ پر تھی اس روڈ پر جہاں کل کسی وقت وہ...... میں پتہ نہیں کیا دیکھنے آئی تھی وہاں...... اسے کیا کل کا وہیں ہونا تھا...... یا پھر میں شاید ایکسیڈنٹ کا کوئی نشان ڈھونڈنے آئی تھی...... اس سڑک پر ایک گاڑی اور بائیک کے درمیان ہونے والے ایکسیڈنٹ کا نشان...... یا پھر شاید میں...... میں...... پتہ نہیں میں کس لیے وہاں آئی تھی۔

سڑک کے دونوں طرف کہیں بھی کچھ بھی نہیں تھا...... اور سڑک پر صرف ٹریفک تھی...... نامانوس لوگ...... صرف وہ چہرہ نہیں تھا...... چہرہ؟ مگر مومی چہرہ کب تھا میرے لیے...... وہ تو صرف ایک آواز تھی...... تھی؟...... تھی کیوں؟...... مجھے کیوں یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ دوبارہ کبھی...... کبھی مجھے کال نہیں کرے گا۔ مجھے یہ یقین کیوں ہو گیا تھا کہ وہ نہیں رہا تھا۔ خیابانِ شمشیر ختم ہو گئی تھی۔ اور زندگی بس زندگی ختم نہیں ہوتی۔

“تم میرے لیے کیا کیا کر سکتی ہو می می؟” اس نے ایک دن مجھ سے پوچھا تھا۔

“سب کچھ۔” میں نے بڑے یقین سے جواب دیا۔

“سب کچھ کیا؟”

"سب کچھ مطلب سب کچھ......"

"جو لوگ سب کچھ کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بعض دفعہ کچھ بھی نہیں کرتے۔" اس نے طنز کیا تھا۔ "میں کرسکتی ہوں۔ میں نے دعویٰ کیا۔

"ملنے آسکتی ہو مجھ سے؟" میں بول نہیں سکی۔ وہ بے اختیار ہنسا۔

"بس بولتی بند ہوگئی...... سب کچھ کرسکتی ہوں۔" اس نے میرا جملہ دہرایا۔

"بس ملنے نہیں آسکتی۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔

"اگر میں مرجاؤں تب بھی نہیں؟" ایسی بات کیوں کررہے ہو...... آخر تم کیوں مروگے؟

"کیوں میں انسان نہیں ہوں کیا؟" اس نے مجھے چھیڑا۔

"ہاں مگر......" میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں بات کو کیسے مکمل کروں۔

"مجھے یقین ہے کہ تم میرے مرنے پر بھی نہیں آؤ گی۔" اس نے ایک بار پھر کہا۔

"ہاں...... کیونکہ تمھارے مرنے سے پہلے میں خود مرجاؤں گی۔"

"یہ دھمکی ہے؟" اس نے ہنس کر کہا۔

"پتہ نہیں۔" میں نے مدھم آواز میں کہا۔

"لڑکیاں جھوٹ بہت بولتی ہیں۔" اس نے بلند آواز میں کہا تھا اور ٹھیک کہا تھا...... لڑکیاں جھوٹ بہت بولتی ہیں۔ ہماری زندگی جھوٹ سے شروع ہو کر جھوٹ پر ختم ہو جاتی ہے اور ہم تو اپنے آپ سے بھی کبھی سچ نہیں بول سکتیں...... آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بھی صرف وہ دیکھتی ہیں جو ہمارے ذہن میں ہوتا ہے وہ نہیں جو آئینے میں ہوتا ہے۔ میں بھی جھوٹی تھی۔

............❀............

"مہراب اخبار کیوں اٹھالیا؟" امی نے گھر پہنچتے ہی مجھے لاؤنج میں پڑا اخبار اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھ کر کہا۔

"تمھیں کہا ہے کہ تم جا کر سو جاؤ...... اور تم پھر اخبار لے کر بیٹھنے لگی ہو...... پھر کوئی ایسی ویسی خبر پڑھ لو گی تو......" انھیں پریشانی لاحق ہوئی۔

"میں سونے لگی ہوں...... اگر نیند نہیں آئی تو اخبار دیکھوں گی......" میں نے امی سے کہا۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے تم سے کہ ٹیبلٹ لے کر لیٹنا...... پھر نیند کیسے نہیں آئے گی۔" میں نے امی کی بات کو نظرانداز کردیا اور اخبار لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔ مگر اخبار پڑھنے کی بجائے میں نے دراز کھول کر اس میں رکھ دیا اور اپنے بیڈ پر لیٹ گئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ بابا تھوڑی دیر میں میرے کمرے میں آکر مجھے دیکھیں گے وہ گاڑی اندر کھڑی کررہے تھے۔

اور ایسا ہی ہوا تھا۔ انھوں نے کچھ دیر بعد دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ مجھے آنکھیں بند کیے لیٹا دیکھ کر وہ مطمئن ہوگئے اور دروازہ بند کرکے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اخبار نکال کر میں نے اس کے ایک ایک صفحے پر ایک ایک کالم...... ایک ایک خبر چھان ماری۔ وہاں خیابان شمشیر پر بائیک کے کسی حادثے کے بارے میں کچھ نہیں تھا۔ 24 گھنٹوں میں پہلی بار مجھے اپنے اندر زندگی کی رمق محسوس ہوئی۔ وہ مرگیا ہوتا تو خبر ضرور ہوتی...... ہوسکتا ہے وہ زندہ ہو صرف زخمی ہو...... اور زخموں کا کیا ہے وہ تو بھر جاتے ہیں مندمل ہوجاتے ہیں۔ میں نے ایک بار پھر دھڑکتے دل کے ساتھ پورے اخبار کو دیکھا...... پھر ایک ایک سطر...... ایک ایک خبر...... ایک ایک لفظ...... نہیں کل خیابانِ شمشیر پر کسی ایکسیڈنٹ میں کوئی نہیں مرا تھا۔ میرے ہاتھ کپکپانے لگے...... تو کیا وہ زندہ تھا...... نہیں...... زندہ "ہے" اور اگر زندہ ہے تو...... میں بیڈ سے اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اور اگر زندہ ہے تو...... تو...... میں کمرے کے چکر کاٹنے لگی اور تب مجھے اللہ یاد آیا وہ اللہ جو انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوتا ہے...... جس کے ہاتھ میں موت اور زندگی ہے۔

"دعا ایسے مانگنی چاہیے کہ انسان کو اس ایک چیز کے علاوہ کسی اور چیز کا خیال نہ رہے...... اور دعا ہر وقت مانگتے رہنا چاہیے۔" میری امی نے بچپن میں ایک بار مجھ سے کہا تھا...... اور میں نے دعا کے دوران اپنے ذہن کو فوکس کرنا سیکھ لیا تھا۔ میں **Unifocal** ہو کر دعا مانگا کرتی تھی...... میرا ذہن اس ایک چیز کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف جاتا ہی نہیں تھا...... کوئی دوسرا خیال میرے پاس بھٹکتا تک نہیں تھا۔ اور میں جانتی تھی میری دعائیں قبول ہوتی تھیں اور یہ صرف میں نہیں جانتی تھی...... دوسرے بھی کہتے تھے...... "مجھے دعا مانگنا آتا

تھا۔" یا پھر یہ کہوں کہ مجھے اللہ سے مانگنا آتا تھا۔ مجھے لگتا تھا میری دعا اس لیے بھی قبول ہوتی تھی کیونکہ میں صراط مستقیم پر تھی...... میں گناہ سے اپنے آپ کو بچاتی تھی۔ آلائشوں سے خود کو دور رکھتی تھی...... ذہنی غلاظت سے کوسوں دور بھاگتی تھی...... اور میں...... میں عبادت بھی کرتی تھی...... بغیر کسی خاص مقصد کے...... بغیر کسی خاص وجہ کے...... صرف اس لیے کیونکہ عبادت اللہ کو خوش "کرتی" ہے...... اور خوش "رکھتی" ہے...... سو آفات سے بچاتی ہے...... اور تب میری زندگی کا ایک ہی مقصد تھا...... اللہ کو خوش رکھنا...... طمانیت قلب پانا۔

تب اللہ سے پیار تھا مجھے...... وہ ہر وقت اپنے پاس محسوس ہوتا تھا...... میں سوچتی تھی اس کے بارے میں...... ان چیزوں کے بارے میں جو اسے خوش کرتی ہوں گی...... ان چیزوں کے بارے میں جو اسے ناراض کرتی ہوں گی...... اور شائد یہ محبت اس لیے بھی تھی کیونکہ میں تہجد پڑھتی تھی۔ رات کے پچھلے پہر...... جب ساری دنیا سو رہی ہوتی تھی۔ مجھے لگتا تھا نماز تو دن میں کروڑوں لوگ پڑھتے ہوں گے جو نہیں بھی پڑھتے ہوں گے وہ نماز کے بغیر بھی اللہ کو پکارتے ہوں گے...... مگر رات کو تہجد کے وقت اللہ کے پاس میرے لیے زیادہ وقت، زیادہ توجہ ہوگی۔ اس وقت اس کے پاس لوگوں کا رش نہیں ہوگا اس وقت وہ مہر سمیع کی باتیں زیادہ غور سے سنے گا...... محبت میں بھی تو ایسا ہی ہوتا ہے سب سے زیادہ قرب تب پیدا ہوتا ہے جب دو محبت کرنے والے اتنا وقت پاتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے کچھ کہہ سکیں اور سب سے زیادہ انہماک تب پیدا ہوتا ہے جب آس پاس کوئی ایسی شے نہ ہو جو توجہ بھٹکائے......

اور رات کو خاموشی تنہائی میں اللہ کے سوا اور کون ہوتا ہے جو توجہ اپنی طرف کھینچے......
تو میں رات کو تہجد میں اللہ سے بات کیا کرتی تھی اور پتہ نہیں کیوں مگر میں کبھی تہجد میں اس طرح دعا نہیں کرتی تھی جس طرح نماز کے بعد کرتی تھی...... مجھے لگتا تھا ہر وقت اللہ سے "مانگنے" کے لیے میں کیا اس کی عبادت کروں...... کبھی صرف اللہ کا "شکر" ادا کرنے...... اسے یہ بتانے کے لیے بھی تو مجھے اس کے سامنے جھکنا چاہیے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں...... بے پناہ محبت...... لوگ تہجد صرف مانگنے کے لیے پڑھتے ہیں...... جو چیز سارا دن عبادت کر کے نہ ملے...... وہ تہجد میں مانگی جائے...... تب دعا مقبول ہوتی ہے...... اور میں سوچتی تھی نہیں تہجد کے وقت مجھے صرف اللہ کو یہ بتانا ہے کہ اس نے مجھے کتنا خوش قسمت بنایا

ہے۔ مجھ پر کتنی نعمتیں نازل کی ہیں۔ کتنا رحم کیا ہے...... اور یہ بتانا ہے کہ میں اس کی کتنی شکر گزار تھی...... اور مجھے...... مجھے اس سے محبت تھی...... بس...... اور کچھ نہیں...... مانگنا وغیرہ دن کے لیے...... ہاں بس ایک چیز کے لیے ضرور کہتی تھی...... "رحم"

"تم بہت عبادت کرتی ہو مہر...... تم بتاؤ اگر انسان اللہ سے دعا کرے تو اسے اپنے لیے کیا مانگنا چاہیے۔" کالج میں ایک بار صوبیہ نے مجھ سے پوچھا تھا۔ "انسان کو اللہ سے کیا مانگنا چاہیے؟" میں سوچ میں پڑ گئی۔ "انسان کو اللہ سے "رحم" مانگنا چاہیے۔" "رحم؟" اس نے دلچسپی سے کہا۔ "ہاں اللہ رحم کرے گا تو بھوک میں کھانا بھی دے گا، خالی جیب میں روپیہ بھی دے گا، ننگے جسم پر لباس بھی دے گا، تکلیف سے نجات بھی دے گا، بیماری سے شفا بھی دے گا...... اگر وہ رحم کرے گا تو۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "ورنہ وہ یا تو دولت دے گا، یا عزت، یا محبت، یا شہرت یا وہ خاص چیز جو تم مانگو گی...... مگر تم ایک وقت میں آخر کتنی چیزیں مانگو گی کچھ نہ کچھ تو بھول جائے گا تمھیں...... پر صرف رحم مانگ لینے سے......اس نے میری بات کاٹی۔ "تم رحم مانگتی ہو؟" ہاں...... ہر روز رات کو تہجد میں...... میں "شکر ادا کرتی" ہوں اور "رحم مانگتی" ہوں۔ میں نے فخریہ انداز میں کہا۔

اور اب...... اب میں زندگی میں پہلی بار کچھ اور مانگنے کے لیے اللہ کے سامنے جھکی تھی...... مومی کی زندگی...... بس اس کی زندگی...... میں نے اس رات کسی نعمت کا "شکر ادا" نہیں کیا صرف "مانگا"...... اور بے حد خود غرضی سے...... انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی اللہ کو اپنی نیکیاں، اپنی عبادت "جتاتا" ضرور ہے...... کبھی نہ کبھی اس سے مول تول کے لیے ضرور بیٹھتا ہے...... کبھی نہ کبھی اس سے عبادت کا سودا کرنے کے لیے اپنے اور اس کے رشتے کو Purely commercial ضرور بناتا ہے...... میں نے بھی بنایا تھا میں نے بھی اپنی فرمائشوں کی فہرست اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے وہ میری عبادتوں کا "اجر" دے...... مومی کی زندگی کی صورت میں...... میرے دل کو نہ اُجاڑے...... مومی کو میری زندگی سے نہ نکالے...... یوں...... اس طرح...... اتنے لوگوں کو محبت مل جاتی ہے۔ مجھے بھی مل جائے...... اتنے گناہ گار لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں...... میری بھی ہو جائے...... میں نے اللہ سے کہا تھا کہ

(1) موحی دوبارہ مجھ سے رابطہ کرے۔

(2) اور اپنی مدد کے لیے اس دن نہ آنے پر بھی مجھے معاف کر دے...... میں نے اللہ سے کہا تھا۔

(3) کہ وہ صحیح سلامت ہو۔

(4) اسے چوٹیں نہ آئی ہوں......

(5) اسے خراش تک نہ آئی ہو......

میں نے اللہ سے کہا تھا۔

(6) کہ موحی مجھے مل جائے......

(7) میری شادی اس سے ہو جائے......

(8) وہ مجھے اتنا چاہے جتنا میں چاہتی ہوں......

میں نے اللہ سے کہا تھا کہ کوئی میری طرح بے غرض بے لوث ہو کر اس سے محبت نہیں کرتا رہا...... کوئی میری طرح دل اور دماغ ایک جگہ رکھ کر اس کی عبادت نہیں کرتا رہا...... پھر کیا وہ مہر سمیع کو دوسرے لوگوں کی طرح Treat کرے گا...... ان میں اور مجھ میں کوئی فرق ہی نہیں رکھے گا۔ میں نے بلک بلک کر اسے اپنی ہر نیکی جتائی...... پھر مجھے لگا شاید اللہ اتنی بہت ساری دعائیں قبول نہیں کرے گا میں بھی تو معجزے چاہ رہی تھی۔ اپنے کانوں سے موحی کی چیخیں سننے کے باوجود یہ چاہ رہی تھی کہ اسے خراش تک نہ آئی ہو...... ایک قطرہ خون تک نہ بہا ہو...... اس کے لیے کچھ نہ کرنے کے باوجود یہ چاہتی تھی کہ وہ مجھ سے ہی محبت کرتا رہے...... مجھ سے ہی شادی کرے......

اور پھر میں نے بھی وہی کیا جو ہم سب کرتے ہیں۔ آہستہ آہستہ اپنی دعاؤں کی فہرست کو چھوٹا کرنا شروع کر دیا...... ایک ایک کر کے اس میں سے چیزیں کم کرنا شروع کر دیں...... اور یہ کام ہی انسان کی زندگی کا سب سے کٹھن امتحان ہوتا ہے۔ آخر وہ کون سی ایک چیز ہے جس کے لیے وہ باقی سارے مطالبات ساری خواہشات چھوڑ دیتا ہے...... صرف ایک چیز؟...... اور میں نے اللہ سے کہا تھا...... وہ موحی کو زندگی دے دے...... چاہے اس کو میرا مقدر نہ بنائے مگر اس کو زندگی دے دے...... اور یہ دعا کرتے ہوئے میں نے جیسے کسی تیشے کے

ساتھ اپنے دل کو کاٹ ڈالا تھا...... وہ مجھے نہ ملتا تو میری زندگی کیا رہ جاتی؟...... پر میرے لیے کافی تھا کہ وہ تو زندہ ہوتا...... وہ شخص جس کو میں نے چاہا تھا جس سے محبت کی تھی...... اس کے بعد میں نے وہی کیا جو ہم سب کرتے ہیں۔ اس چیز کا بتاتے ہیں جسے ہم مانگے جانے والی چیز کے لیے قربان کر سکیں...... اور میں نے اللہ سے کہا تھا وہ موحی کو میری زندگی بھی دے دے...... مگر اس کو زندگی دے دے......

اس رات تہجد میں بلکتے ہوئے مجھے لگا اللہ میرے قریب ہے وہ میری سن رہا ہے میری دعا میں خشوع و خضوع تھا...... وہ سب تھا جو دعا کو مقبول کرتا ہے...... رقت، آنسو، گریہ، عاجزی، بے قراری، بے تابی، یکسوئی، بے بسی...... سب کچھ تھا۔

تب تک اللہ پر بڑا مان تھا مجھے...... ساری عمر مجھے یہ گمان رہا کہ میں...... میں مہر سمیع کبھی اللہ کے سامنے جھکوں...... ہاتھ بڑھاؤں...... جھولی پھیلاؤں اور اللہ...... اللہ "میری"...... "میری"...... دعا قبول نہ کرے...... میرا بڑھا ہوا ہاتھ جھٹک دے؟...... ناممکن...... عجب غرور تھا مجھے اپنی دعا پر...... یا پھر شاید اللہ سے اپنے تعلق پر...... مجھے لگتا تھا کہ وہ مجھے تو خالی ہاتھ لوٹائے گا ہی نہیں...... گمان، فریب، غرور، خوش فہمی...... جو چاہے کہہ لیں...... پر میں یہی تھی...... ایسی ہی تھی مہر سمیع جگنو کے پیچھے چلتے ہوئے جنگل سے گزر جانے کی تمنا رکھنے والی...... زندگی میں جب پہلے سب کچھ اللہ نے دیا تھا تو پھر اب کسی اور سے جا کر کیوں مانگتی...... اور دنیا میں "کوئی اور" تھا کیا؟...... کم از کم میرے لیے نہیں تھا۔

میں اگلے دن لاؤنج میں رہی تھی...... ایک فون کال کے انتظار میں...... سارا دن وہیں...... ساری دوپہر...... ساری شام...... پھر رات...... اور بالآخر فون کی گھنٹی بجی تھی...... میرا دل بے اختیار اُچھلا...... میں نے پہلی گھنٹی پر فون اٹھایا۔

"تم آج کالج کیوں نہیں آئی؟" وہ صوبیہ تھی میرا دل ڈوب گیا۔

"ایسے ہی۔" میں نے بجھی آواز میں کہا۔

"تم ایسے ہی چھٹیاں کرنے والی تو نہیں ہو۔" صوبیہ نے جواباً کہا۔

"میں سونے جا رہی تھی صوبیہ۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی...... میں نے اس سے کہا۔

"اتنی جلدی سو جاؤ گی تم؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں بس طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" میں چاہتی تھی وہ جلد از جلد فون بند کر دے۔

"کیوں طبیعت کو کیا ہوا؟" صوبیہ پریشان ہوئی...... میں اس سے زیادہ...... آخر بات لمبی کیوں ہو رہی تھی...... اگر اس دوران مومی نے فون کرنے کی کوشش کی اور فون بزی ہوا تو......

"سر میں درد ہے۔"

"صبح کالج آؤ گی؟"

"نہیں۔"

"پرسوں؟"

"ہاں...... اچھا خدا حافظ۔" میں نے اس کے کسی مزید سوال سے پہلے فون رکھ دیا۔

"تم اب جا کر سو جاؤ...... مہر...... صبح سے یہیں بیٹھی ہوئی ہو۔" امی لاؤنج میں آ گئی تھیں۔

"میں ابھی سو جاؤں گی...... TV دیکھ رہی ہوں۔" میں نے بہانہ بنایا۔

"TV دیکھنا تو اب بند ہی کر دو تو بہتر ہے پہلے ہی کتنا مسئلہ ہوا ہے۔"

"امی میں سپورٹس چینل دیکھ رہی ہوں۔"

"یہ سپورٹس میں تمہیں دلچسپی کب پیدا ہو گئی۔" امی نے حیرانگی سے میرا چہرہ دیکھا۔

TV پر کوئی کرکٹ میچ چل رہا تھا اور مجھے کرکٹ کی الف بے کا بھی پتہ نہیں تھا۔ مزید بات کرنے کی بجائے میں TV آف کرتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔ مگر میں نے کمرے کا دروازہ بند نہیں کیا۔ وہ 9 بجے کے قریب فون کرتا تھا...... اب دس بجنے والے تھے...... میں ساری رات جاگتی رہی...... اور میں نے پھر تہجد پڑھی...... پھر وہی سب دعائیں...... اور پھر وہی دعا ایک رات اور گزر گئی۔ پھر اگلا دن...... پھر اگلی شام...... پھر اگلی رات...... رات کا پچھلا پہر...... تہجد...... دعائیں...... "دعا"...... ایک اور دن...... ایک اور رات...... ایک اور دن...... ایک اور رات...... ایک اور دن...... ایک اور رات......

میں پورا ہفتہ کالج نہیں گئی...... امی اور بابا میں سے کسی نے مجھے جانے کو کہا بھی

نہیں...... وہ سمجھتے تھے ابھی آرام میرے لیے بہتر ہے...... آرام؟ میں انسومنیا کا شکار ہو رہی تھی...... میں ساری رات جائے نماز پر عبادت کرتے اور فون کی گھنٹی کے انتظار میں گزار دیتی...... اور سارا دن لاؤنج میں فون کے پاس...... نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے میری آنکھوں کے گرد حلقے پڑ رہے تھے...... میری بھوک پیاس ختم ہو گئی تھی...... امی اور بابا میرے بارے میں اور پریشان ہو رہے تھے۔ امی کو یقین تھا مجھے کسی کی نظر لگ گئی تھی...... وہ پتہ نہیں پانی پر کیا کیا دم کر کر کے مجھے پلاتی رہتیں...... رات کو پتہ نہیں کتنی سورتیں پڑھ کر مجھ پر میرے بستر پر میرے سرہانے پر میرے کمرے کے کونوں میں پھونکتی رہتیں...... اور جب وہ مطمئن ہو کر کمرے سے چلی جاتیں تو میں اپنے کمرے سے باہر سیڑھیوں میں آ کر بیٹھی رہتی...... اور پھر وہاں سے مصلے پر...... میری فرینڈز میری کالج سے غیر حاضری کے بارے میں جاننے کے لیے بار بار مجھے فون کرتیں اور میں ان کا فون ریسیو نہیں کرتی...... امی ان کو ہر روز کہتیں وہ کل آئے گی...... میں اگلے دن پھر نہیں جاتی...... اس فون کے علاوہ دنیا میں اور کچھ نہیں رہا تھا میرے لیے۔

ایک ہفتے کے بعد بابا کے اصرار پر میں کالج چلی گئی تھی...... انہیں لگ رہا تھا کہ گھر پر رہ کر مجھ پر زیادہ برا اثر پڑ رہا ہے۔ میری فرینڈز مجھے دیکھ کر حیران ہو گئی تھیں۔ میرا چہرہ واقعی ایسا ہو رہا تھا جیسے میں کسی لمبی بیماری سے اٹھ کر آئی تھی۔ "تمہیں کیا ہوا ہے مہر؟" ثنا نے بے حد پریشانی کے عالم میں کہا۔

"بس کچھ دن بخار رہا تھا۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کیے بغیر کہا۔

"بخار تھا تو کم از کم ہمیں فون پر کہتی ہم تمہیں ملنے آتے۔" سمیعہ نے ناراضگی سے کہا۔

وہ سارا دن اور بھی پتہ نہیں کیا کیا کہتی رہتی تھیں۔ ان کی آدھی باتیں مجھے سمجھ آ رہی تھیں باقی آدھی نہیں...... میرا دھیان گھر کی طرف تھا فون کی طرف تھا......

"اور بخار آخر ہو کیسے گیا تمہیں؟" ثنا نے مجھ سے پوچھا۔

"اب یہ میں کیسے بتاؤں کہ مجھے بخار کیسے ہو گیا...... جیسے سب کو ہوتا ہے ویسے ہی ہوا ہے۔" مجھے اس کا سوال عجیب لگا۔

"مگر تم نے فون پر اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟" صوبیہ نے شکوہ کیا۔

"مجھے یاد نہیں رہا۔" میں نے بے خیالی میں کہا۔

ان تینوں نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔ "تمھیں یہ بتانا یاد نہیں رہا کہ تم بیمار ہو...... تمھیں بخار ہے؟" ثنا نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

مجھے اپنے جملے کی بے ربطگی کا احساس ہوا۔ "نہیں اصل میں میں تم لوگوں کو بتا کر تمھیں پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔" میں نے اپنے جملے کی تصحیح کی۔

"ہم پریشان نہیں ہوتے...... ہم لوگ تمھاری عیادت کے لیے آتے۔" سمیعہ نے کہا۔

"مجھے دراصل معمولی بخار تھا۔" میں نے ایک بار پھر جھوٹ بولا۔

تینوں نے ایک بار پھر حیرانگی سے میرا چہرہ دیکھا۔ "معمولی بخار میں انسان اتنا کمزور نہیں ہوتا جتنا کمزور تم لگ رہی ہو۔" صوبیہ نے ناراضگی سے کہا۔

میں اب اس بے کار بحث سے اُلجھ رہی تھی۔ وہ آخر اس موضوع کو چھوڑ کیوں نہیں رہی تھیں۔ میں بیمار تھی تو بس تھی پھر ان کا اس سے کیا تعلق تھا؟...... اور ان کا میری عیادت کے لیے آنا بھی تو ضروری نہیں تھا۔ میرا دل چاہا میں یہ کہوں پھر کہتے کہتے میں رُک گئی...... کیا میں انھیں یہ کہتی کہ میری عیادت کے لیے ان کا آنا ضروری نہیں تھا؟...... کیا میں اپنی فرینڈز کو یہ کہہ سکتی تھی...... مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ایک کے بعد ایک عجیب باتیں میرے ذہن میں آ رہی تھیں...... میری ذہنی حالت واقعی ابتر تھی۔

وہ ایک دن میں نے کالج میں بمشکل گزارا...... کئی بار تو میں کالج چلی آنے پر پچھتائی...... کیونکہ ذہنی طور پر میں کالج میں نہیں تھی...... میں اپنے لاؤنج میں فون کے سیٹ کے پاس تھی...... اس فون کال کا انتظار کرتے ہوئے جو کبھی بھی آ سکتی تھی...... اور کبھی بھی آ جایا کرتی تھی۔

میری فرینڈز نے سارا دن آپس میں میرے بارے میں کیا تبصرے کیے...... میں نہیں جانتی اور مجھے ان کو جاننے میں دلچسپی تھی بھی نہیں...... مجھے صرف ایک چیز میں دلچسپی تھی۔

"میرا کوئی فون آیا؟" میں نے گھر آتے ہی امی سے کہا اور پھر مجھے اپنے سوال

کے بے تکے ہونے کا احساس ہوا۔ کیا مومی فون کر کے امی کو یہ کہتا کہ اسے مجھ سے بات کرنی ہے۔ یا کوئی پیغام دینا ہے۔ "نہیں۔" امی نے کہا۔ "کیا کسی کا فون آنا تھا؟" "نہیں۔" میں نے کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

وہ میری زندگی کے سب سے تکلیف دہ دن تھے...... مجھے نہیں لگتا تھا کہ اس سے بڑھ کر تکلیف مجھے دوبارہ کبھی زندگی میں مل سکے گی...... بے معنی اور لاحاصل انتظار...... کوئی اس کی اذیت سے واقف نہیں ہے...... خوف اور بے یقینی میں مکمل طور پر ان کی گرفت میں تھی...... امید اور نا امیدی کے درمیان کہیں جھولتی ہوئی...... مہر سمیع تو کہیں کھو گئی تھی...... کوئی اور تھا جواب میرے وجود پر حاوی تھا...... میری زندگی پر قابض تھا......

میں نے زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا کہ دوسروں کو نصیحتیں کرتے کرتے کبھی میں خود اس موڑ پر آ کر کھڑی ہو جاؤں گی کہ خود مجھ پر دوسروں کی باتیں بے اثر ہونے لگیں گی...... خود میں اسی دلدل میں جا پھنسوں گی۔ جس سے میں دوسروں کو خبردار کیا کرتی تھی...... جہاں سے میں دوسروں کو کھینچنے کی کوشش کیا کرتی تھی...... یہ نہیں تھا کہ مجھے صرف غم تھا...... پچھتاوا نہیں تھا...... مجھے پچھتاوا بھی تھا...... اگر پچھتاوے کا کوئی مادی وجود ہوتا تو دنیا کو مہر سمیع کے گرد صرف پچھتاوا ہی نظر آتا۔ پر بات صرف اتنی تھی کہ محبت کی اذیت غلطی کے پچھتاوے سے کہیں زیادہ تھی...... وہ نہ ہوتی تو پھر صرف پچھتاوا ہی ہوتا۔ میں مومی کو نہ کھوتی تو میں کبھی کسی بھی طرح اس غلطی کو Justify کرنے کی کوشش نہ کرتی جو میں نے کی تھی چاہے مومی سے میری شادی ہوتی یا نہ ہوتی...... مگر اب اس کے ایک دم یوں غائب ہو جانے سے سب کچھ بدل گیا تھا...... میرا Code of ethics بھی...... پتہ نہیں کیوں؟...... اور کب؟...... میں نے اپنی غلطی کو کسی نہ کسی طرح Justify کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

"محبت...... ہاں...... سب ہی تو محبت کرتے ہیں...... پھر میں نے کیا غلط کیا؟"

میں اپنی ذات کے ساتھ اختلاف رائے رکھتی اپنے Code of ethics کے ساتھ Argue کرنے میں مصروف تھی۔ "اور پھر محبت تو کی بھی نہیں جاتی...... یہ ہو جاتی ہے۔" میں ایک اور دلیل پیش کرتی۔ "پھر اس میں میری غلطی کیا ہے؟...... میں نے تو...... میں نے تو اپنے آپ کو ہر لحاظ سے بچانے کی کوشش کی تھی...... مومی کو جتنا Resist کر سکتی تھی...... میں

نے کیا تھا...... مگر یہ سب کچھ ایسے ہی ہوتا تھا۔" میرا لہجہ کمزور ہوتا جاتا...... میری وضاحتیں بڑھتی جاتیں......

انسان کے لیے سب سے مشکل مرحلہ وہ ہوتا ہے جب وہ خود اپنے آپ کو Contradict کر رہا ہو اور اسے یہ احساس بھی ہو جائے کہ وہ ایسا کر رہا ہے۔ اس کے بعد اس کی آواز لڑکھڑانے لگتی ہے اور وہ خود آئینے میں اپنی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے کتراتا ہے۔

میں بھی اسی احساس سے دوچار تھی...... چاہتی تھی دنیا میں مجھے وہ کونہ نظر آ جائے جہاں میں چھپ جاؤں...... اپنی غلطی کے ساتھ...... محبت کی اس اذیت کے ساتھ جس نے میرے وجود کو مکمل طور پر مفلوج کر دیا تھا...... حرکت کرنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔

مجھے نہیں پتہ میری ذہنی ابتری کو میرے ماں باپ نے کس طرح Interpret کیا تھا...... میں نہیں جانتی کیا وہ واقعی میری اس بات پر یقین لے آئے تھے کہ یہ سب TV پر دیکھے جانے والے ایک ڈرامے کا نتیجہ تھا...... وہ یقین نہیں بھی لائے تھے تب بھی انھوں نے کبھی مجھے اس بات کو جتایا نہیں...... پر تب میری یہ خواہش ضرور ہوتی تھی کہ وہ ایک بار پھر مجھ سے مومی کے بارے میں پوچھیں اور اس بار میں انھیں سب کچھ سچ بتا دوں...... شاید وہ سچ اس ذہنی فشار سے مجھے نجات دے دے جس کا میں شکار تھی...... شاید تب وہ مومی کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے...... میری محبت میں...... مگر مجھ میں اتنا حوصلہ تھا نہ اتنی اخلاقی جرأت کہ میں کبھی واقعی خود ان کے سامنے بیٹھ کر ان کو یہ سب کچھ بتا دیتی...... اتنا حوصلہ ہوتا تو میں پہلی بار ہی ان سے جھوٹ کیوں بولتی۔

میری حالت نے ان کو پریشان کیا تھا اور پھر اسی پریشانی میں انھوں نے میرے بارے میں کچھ اور سوچنا شروع کر دیا تھا...... وہی سب کچھ جو ایسی صورت حال میں ماں باپ اپنی بیٹیوں کے بارے میں اکثر سوچا کرتے ہیں۔

"مہر...... مجھے ایک بات کرنی ہے تم سے۔" اس رات امی پچھلے ایک ہفتے کی طرح پھونکیں مارنے کے بعد میرے کمرے سے جانے کی بجائے میرے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ میں نے حیرانگی سے ان کو دیکھا۔

"جی؟" "آج صفیہ آئی تھی۔"

"آپ کی دوست؟"

"ہاں...... اس کا بیٹا Canada جا رہا ہے MBA کے لیے۔" امی تمہید باندھ رہی تھیں۔

"وہ چاہتی ہے جانے سے پہلے اس کی منگنی کر دے۔"

"تو؟" امی میرے سوال پر چند لمحوں کے لیے خاموش رہیں پھر انھوں نے کہا۔

"وہ تمھارے لیے مراد کا پرپوزل دے کر گئی ہے۔" میرے دل کی دھڑکن رُک گئی۔

امی نے پہلی بار مجھ سے کسی پرپوزل کی بات کی تھی...... اس سے پہلے جب بھی کوئی میرے سامنے ان سے یا بابا سے اس طرح کی بات کرتا تو وہ دونوں صاف کہہ دیتے تھے کہ ابھی انھیں میری شادی نہیں کرنی...... اور اب وہ مجھ سے اس پرپوزل کی بات کر رہی تھیں۔

"تمھارے بابا سے بھی اس نے بات کی...... اب تمھارے بابا کی خواہش تھی کہ ہم تمھارے لیے اس لڑکے کو دیکھیں...... اور اگر ممکن ہو تو...... طے کر دیں مگر تمھارے بابا کہہ رہے تھے کہ میں پہلے تم سے بات کروں۔" امی میرے کانوں میں جیسے پگھلا ہوا سیسہ اُنڈیل رہی تھیں...... میں مومی کے ملنے کی دعائیں مانگ رہی تھی اور وہ...... وہ میرے لیے کسی اور مرد کے بارے میں سوچ رہی تھیں...... میں نہیں جانتی مجھے کیا ہوا بس میں نے یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ امی گھبرا گئیں۔

پتہ نہیں...... آنسوؤں سے میں ہمیشہ کیا صاف کر دینے کی کوشش کرتی ہوں...... قسمت کے لکھے کو؟ پتہ نہیں...... میں اتنا روئی تھی کہ امی مجھ سے معذرت کرنے لگی تھیں۔

"تم نہیں چاہتی تو کوئی بات نہیں میں صفیہ کو انکار کر دیتی ہوں...... تم سمجھو میں نے ایسی کوئی بات ہی نہیں کی۔" وہ بمشکل مجھے چپ کروا کے بے حد پریشان اور نادم کمرے سے چلی گئیں۔

میں ان کے جانے کے بعد پھر رونے لگی وہ مجھ سے کہہ کر گئی تھیں۔ "یہ نہیں...... نہ سہی...... اور رشتے مل جائیں گے۔" "اور رشتے۔" میں نے بے یقینی سے سوچا...... اور میں کتنی بار اس طرح آنسو بہا کر اپنے ماں باپ کو بلیک میل کر سکوں گی؟ شادی؟...... مجھے کبھی نہ

کبھی کسی دوسرے مرد کے ساتھ شادی کرنی پڑے گی؟ اس سے محبت نہ ہونے کے باوجود...... موی سے محبت کرنے کے باوجود؟...... پھر پتہ نہیں مجھے کیا ہوا؟...... اتنا غم...... اتنا غصہ...... اتنا جنون...... میرے اندر جیسے کوئی طوفان برپا ہو گیا تھا...... میں نے اس رات اللہ سے بے پناہ شکوے کیے...... بے پناہ...... زندگی میں اگر کبھی میں نے کوئی ذرا سی پریشانی اور تکلیف بھی اٹھائی تھی تو میں نے اس کے بارے میں بھی اس کو بتایا...... بلکہ جتایا...... کہ وہ اب تک میرے ساتھ کیا کرتا رہا ہے اور میں...... پھر بھی اس سے محبت کرتی رہی ہوں...... اس کی عبادت کرتی رہی ہوں...... اور اب...... اب جب میں اپنی زندگی کے سب سے مشکل مرحلے میں تھی تو اللہ...... اللہ...... کیا اللہ میری دعا قبول نہیں کرے گا؟...... کیا وہ مجھے خالی ہاتھ لوٹائے گا...... مجھے ٹھیک سے یاد نہیں اس رات میں نے اللہ سے کیا کیا کہا تھا...... بس کہا تھا جو دل میں آیا کہا تھا۔

میری دنیا نہیں اُجڑی تھی دل اُجڑا تھا، میں بھلا چپ کیسے رہتی...... کوئی اور مرد...... موی کی جگہ کوئی اور مرد...... میری زندگی میں موی کی جگہ کوئی اور مرد ہو...... بعض دفعہ انسان کا اپنے آپ سے کنٹرول ختم ہو جاتا ہے۔ اس رات میرے ساتھ یہی ہوا تھا۔ میری زندگی Transform ہو گئی تھی۔ میں ساری رات بیٹھی یہی سوچتی رہی تھی کہ اللہ کے نزدیک میری کیا حیثیت کیا اہمیت ہے؟...... آخر مہر سمیع ہے کیا اس کے لیے جس کی وہ پرواہ کرتا۔

ہم سب اللہ سے اپنے تعلق کو دعا قبول ہونے سے پرکھتے ہیں...... دعا قبول ہو تو سب کچھ ٹھیک ہے...... قبول نہیں ہوتی تو...... آخر کیوں نہیں ہوتی۔ تو کیا تعلق نہیں ہے؟...... کچھ بھی نہیں ہے؟...... میں نے بھی یہی سوچا تھا اگر سیدھے راستے پر چلتے ہوئے بھی مجھے وہ نہیں ملنا تھا جو مجھے چاہیے تھا تو پھر سیدھا راستہ کیوں؟...... صوبیہ جیسی لڑکی سال میں کبھی ایک بار بھی اللہ کے سامنے سر نہیں جھکاتی تھی ان تمام احکامات کی خلاف ورزی کرتی تھی جو اللہ نے دیے تھے...... جسم کو عیاں کرنے والے لباس پہنتی تھی...... مردوں کے ساتھ کھلم کھلا گھومتی تھی...... زندگی کو عیش و عشرت میں گزارتی تھی اور پھر اپنی خواہشات کے پورا نہ ہونے پر میرے سامنے روتی تھی...... اور میں مہر سمیع جس نے اپنے جسم کو اس طرح چھپایا جیسے خدا نے چاہا...... جو روح کی گہرائی سے اللہ سے محبت کرتی تھی...... میں نے ہر کبیرہ گناہ سے اپنے آپ کو بچایا...... اور میں...... میں بھی زندگی میں صوبیہ کی طرح خالی ہاتھ بیٹھی تھی...... تو پھر

سیدھا رستہ کیوں؟...... کیوں میں اس سیدھے رستے کے لیے اپنی خواہشات مارتی جو مجھے ''اجر'' نہیں دے سکتا تھا...... کون جنت اور دوزخ کی فکر کرے...... اگر زندگی صرف ایک خواہش پوری ہونے سے جنت اور نہ پوری ہونے سے دنیا میں ہی دوزخ میں بدل جائے......

اور اس رات میں بہت پچھتائی...... ہر اس کام کے نہ کرنے پر جسے میں کرنا چاہتی تھی اور صرف اس لیے نہ کرتی رہی کہ اللہ ناراض ہوگا...... مجھے پچھتاوا ہوا کہ میں...... میں موی کی خواہش پر اس سے کیوں نہیں ملی...... آخر کیوں؟...... میں کیوں اس ایکسیڈنٹ پر فوراً گھر سے نہ چلی گئی...... گھر بھاڑ میں جاتا مگر موی تو رہتا...... ماں باپ کی عزت کو میں نے ہوّا بنا کر سر پر کیوں سوار کر لیا...... محبت نام کی شے سے میں کیوں خوف کھاتی رہی...... دنیا میں رہ کر ''دنیا'' سے کیوں بھاگتی رہی؟...... ہر پچھتاوا ہر ملال ہر رنج اس رات میرے سامنے مجسم آتا رہا...... ایسا نہیں تھا کہ اس رات اور اس کے بعد مجھے خدا کے وجود پر یقین نہیں رہا تھا...... مجھے یقین تھا...... صرف یہ ہوا تھا کہ میرے اور اس کے درمیان شکوے کی خلیج حائل ہو گئی تھی اور میں نے اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش نہیں کی...... میں نے اسے بڑھنے دیا...... اتنا...... اتنا...... اتنا...... کہ پھر خدا ''محسوس'' ہونا بند ہو گیا، نظر تو وہ پہلے ہی نہیں آتا تھا...... اور ''ضرورت'' اب ضرورت کسے رہی تھی اس کی......

اس رات میں نے بیٹھ کر طے کیا کہ اب مجھے کیسی زندگی گزارنی تھی...... اور پھر اس کے بعد میں صرف ایک ''جسم'' بن گئی...... روح کو مار دیا میں نے......

نواں باب

میں نے اسے پہلی بار لبرٹی بکس پر دیکھا تھا۔ باربی کیو ٹو نائٹ پر کھانا کھانے کے لیے بیٹھے بیٹھے مجھے اچانک کسی کتاب کا خیال آیا۔ اپنے دوست کو میں اس کی ٹیبل پر چھوڑ کر خود لبرٹی بکس کے اندر چلا آیا۔ اور وہیں پہلی بار میں نے مہر کو دیکھا۔ وہ سیاہ سلیو لیس شرٹ پہنے ہوئے تھی اور میں نے سیاہ اور سفید کا اتنا خوبصورت **Combination** یا کنٹراسٹ جو بھی کہہ لیں...... پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کے تراشیدہ بال اس کے کندھوں اور پشت پر بکھرے ہوئے تھے اور وہ میگزین کی ورق گردانی کرتے ہوئے بار بار انہیں جھٹک رہی تھی اور ہر جھٹکے کے ساتھ اس کی مخروطی گردن کسی **Swan** کی طرح چند لمحوں کے لیے لمبی ہوتی پھر دوبارہ پہلے

والی پوزیشن پر آ جاتی۔ اس کے ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک لگی ہوئی تھی اور میگزین دیکھتے ہوئے وہ وقفے وقفے سے اپنے ہونٹ سکوڑ رہی تھی اور اس کے ہونٹوں کی ہر حرکت مجھے اس کی طرف کھینچ رہی تھی۔ اور اس کا فگر...... کمال کا تھا...... وہ ایک خوبصورت **Painting** تھی جو اس وقت لبرٹی بکس کے اندر ایستادہ تھی...... **Perfect**...... میں نے بے اختیار کہا...... اگر وہ کہیں سڑک پر ہوتی تو میں پاس سے گزرتے ہوئے سیٹی بھی بجا دیتا...... وہ سیٹی **Deserve** کرتی تھی......

تین سال بعد پاکستان واپس آنے کے بعد یہ کسی لڑکی سے میرا اس طرح کا پہلا ''آمنا سامنا'' تھا۔ تین سال پہلے پاکستان میں قیام کے دوران تو خیر روز ہی میں کئی لڑکیوں کو دیکھ کر اس طرح کے احساسات سے دوچار ہوتا تھا جس طرح کے احساسات سے مجھے اس لڑکی نے دوچار کیا تھا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں حسن پرست تھا بلکہ میں تو فخریہ طور پر اس بات کو کہتا ہوں کہ میں حسن پرست تھا...... حسن کا مداح تھا اور خوبصورتی کو سراہتا تھا اور خوبصورتی اگر ایک عورت کی شکل میں ہو تو پھر تو سونے پر سہاگہ والی بات ہو جاتی ہے۔

خیر میں سیاہ لباس والی لڑکی کی بات کر رہا تھا جو اس وقت مجھے لبرٹی بکس پر نظر آئی تھی اور جس نے چند لمحوں کے اندر مجھے اپنا معمول بنا دیا تھا۔ میں اس وقت اسے دیکھتے ہوئے یہ قطعاً بھول چکا تھا کہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ وہاں کھانا کھانے آیا تھا اور میرا وہ دوست آرڈر دینے کے بعد میرے انتظار میں باہر بیٹھا ہوگا اور اگر ویٹر نے کھانا سرو کر دیا تو...... شاید مجھے کوس بھی رہا ہوگا۔

یہ نہیں تھا کہ اس شاپ میں اور لڑکیاں نہیں تھیں...... تھیں...... یہ بھی نہیں تھا کہ میں نے زندگی میں پہلی بار کوئی خوبصورت لڑکی دیکھی تھی...... میں روز درجنوں خوبصورت لڑکیاں دیکھتا تھا...... مگر بعض چہرے پتہ نہیں آپ کے وجود کے کس حصے پر نقش ہوتے ہیں کہ آپ ان کو چاہنے کے باوجود اپنے اندر سے نکال نہیں پاتے۔ میں نے بھی مہر کے لیے ایسا ہی کچھ محسوس کیا تھا۔

دنیا میں تین قسم کے مرد ہوتے ہیں ایک وہ جو خوبصورت لڑکیوں کو دیکھتے ہیں دوسرے وہ جو ہر لڑکی کو دیکھتے ہیں اور تیسرے وہ جو کسی لڑکی کو نہیں دیکھتے...... اور یہ تیسری قسم

کے مرد پاگل خانے میں ہوتے ہیں۔ میں خود پہلی قسم کے مردوں میں شامل تھا...... صرف خوبصورت لڑکیوں کو دیکھتا تھا...... خوبصورت اور فیشن ایبل ...... یا دوسرے لفظوں میں یہ کہیں کہ...... "Presentable" لڑکیاں...... اور مہر ایسی ہی ایک لڑکی تھی...... اس کو دیکھا جا سکتا تھا، غور کیا جا سکتا تھا، چاہا جا سکتا تھا۔ ''کچھ اور'' بھی کیا جا سکتا تھا مگر وہاں لبرٹی پر میں نے اس کو صرف دیکھا...... اور ٹکٹکی باندھ کر دیکھا...... لڑکیوں کو کوئی دیکھ رہا ہو تو انھیں فوراً پتہ چل جاتا ہے اور میں تو اسے گھور رہا تھا مگر مجال ہے اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا ہو...... ہو سکتا ہے وہ ساری عمر اسی طرح دیکھی جاتی رہی ہو اور اس کے اندر سے یہ احساس ہی ختم ہو گیا ہو کہ کوئی اسے معیوب انداز میں دیکھ رہا ہے...... مگر میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ بھی مجھے ایک نظر دیکھے...... میں خوبصورت مرد تھا کوئی بھی لڑکی مجھ پر دوسری نظر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتی تھی...... اور میں وہاں کھڑا تھا کہ دوسری نظر تو ایک طرف وہ پہلی بار تو دیکھے مجھے۔

میں کتاب واپس شیلف میں رکھ کر میگزینز کے سیکشن کے پاس چلا گیا۔ اس سے بمشکل دو قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو کر میں نے ایک میگزین ہاتھ میں لیا...... کم از کم اب تو گردن موڑ کر دیکھ لیتی...... نہیں وہ اسی انداز میں میگزین ''پڑھ'' رہی تھی...... یقیناً پڑھ رہی تھی صرف دیکھنے والے تو اتنے محو نہیں ہوتے۔

اور میں اس کے اتنے پاس کھڑا تھا کہ اس کی پرفیوم کی خوشبو کو محسوس کر رہا تھا اس کے برہنہ دودھیا بازو پر کندھے سے کلائی تک مختلف جگہوں پر تین تل تھے۔ میرا دل چاہا میں اس کے بازو کو چھو کر دیکھوں۔ اس کی شرٹ کے Slits اتنے لمبے تھے کہ اس کی ٹراؤزرز نما پاجامہ سے اوپر سفید کمر کا ایک انچ کے برابر جسم بھی نظر آ رہا تھا...... وہ دور سے حسین لگی تھی پاس آ کر میں سحر زدہ ہو گیا تھا۔ اس کی سیاہ مہین شرٹ اس کے دودھیا جسم کو چھپانے میں مکمل طور پر ناکام ہو رہی تھی اور میرے دل کی دھڑکنوں کو تیز کر رہی تھی۔ گردن کے ہر جھٹکے کے ساتھ کچھ دیر کے لیے اس کے تراشیدہ بال اس کی ہیئت سے ہٹتے اور میری نظریں جسم کے اس حصے پر جم جاتیں جو شرٹ کے پچھلی طرف کھلے گلے کی وجہ سے عیاں تھا...... بے اختیار میرا دل چاہا میں اس سے بات کروں۔

''کیا میں یہ میگزین دیکھ سکتا ہوں؟'' مہر نے گردن کو ہلکا سا ترچھا کر کے مجھے دیکھا پھر انگلی کے اشارے سے ریک میں لگے اسی میگزین کی دوسری کاپیز کی طرف اشارہ کیا۔ میں بے ساختہ شرمندہ ہوا۔ ''سوری میں نے دیکھا نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔ ''اس سے بات کرنے کی خواہش پوری نہیں ہوئی مگر چلو اس نے ایک بار دیکھا تو سہی...... میں نے دل کو تسلی دی بات تو پھر بھی کی جا...... اس سے پہلے کہ میں ایک اور کوشش کرتا مہر میگزین ہاتھ میں لیے کاؤنٹر پر چلی گئی۔ میں منہ کھولے اسے دیکھتا رہ گیا۔ دو منٹ لگے ہوں گے اسے میگزین کی ادائیگی اور پھر لبرٹی بکس سے باہر نکلنے میں...... اور میں اگلے دس منٹ اسی ہونق انداز میں منہ کھولے لبرٹی بکس کے گلاس ڈور سے باہر پارکنگ کو دیکھتا رہا جہاں وہ لبرٹی سے نکل کر ایک گاڑی میں بیٹھ کر گئی تھی۔ تو یہ مہر سے میری پہلی ملاقات تھی۔

وہاں باہر اوپن ائیر میں بیٹھے اپنے دوست کے ساتھ اس رات میں کسی چٹنی کے بغیر **Vegetable** سیخ کباب کھاتا رہا...... اور خود بولنے کی بجائے اپنے دوست کی باتیں سنتا رہا اور آس پاس بیٹھی خوبصورت لڑکیوں کو زندگی میں پہلی بار نظر انداز کرتا رہا۔ میرا ذہن صرف اس ایک لڑکی پر جما ہوا تھا جو لبرٹی بکس سے باہر گئی تھی۔ اس کے برہنہ دودھیا بازو کی پشت کا خوبصورت خم جو اس کے بالوں کے ہٹتے ہی نظر آتا، اس کے لمبے **Slits** سے نظر آنے والی کمر، اس کی مہین شرٹ سے نظر آنے والا جسم، اس کی لمبی گردن، اس کے ریشمی بال، سرخ لپ اسٹک میں چھپے خوبصورت ہونٹ، اس کی گھنی پلکوں والی سیاہ آنکھیں...... اور اس کے تین تل...... میرے خدا وہ مرد کتنا خوش قسمت ہوگا جو اس کا شوہر بنے گا۔

''مراد یار ذرا پیچھے مڑ کر دیکھو وہ سیاہ کپڑوں والی لڑکی کو۔'' میرے دوست نے کھانا کھاتے ہوئے ٹیبل پر آگے جھک کر میرے کانوں میں جیسے سرگوشی کی۔ میں کرنٹ کھا کر پیچھے مڑا۔ وہ مہر نہیں تھی ایک اور لڑکی تھی ایک گہرا سانس لے کر میں نے گردن سیدھی کی......

''دیکھا؟'' میرے دوست نے مجھ سے پوچھا۔ ''ہاں۔'' میں نے پانی کا گھونٹ لیا۔ سیاہ لباس کی جو ''تباہ کاریاں'' میں لبرٹی بکس پر دیکھ چکا تھا وہ ہر جگہ نظر نہیں آتی تھیں۔ ''اچھی ہے نا؟'' میرے دوست نے رائے لی۔ ''اچھی ہے...... ہر لڑکی اچھی ہے۔'' میں لاپرواہی سے بڑبڑایا۔

''اگر ہر لڑکی اچھی ہے تو آخر پھر تم میری بات کیوں نہیں سنتے؟'' می نے بہت غصے سے مجھ سے کہا۔ میں ناشتہ کرنے میں مصروف تھا اور وہ میرا سر کھانے میں......

''آپ کا سوال یہ ہونا چاہیے کہ میں آپ کی بات پر عمل کیوں نہیں کرتا؟'' میں نے لاپرواہی سے ان کی تصحیح کی۔

''مجھے زہر لگتی ہے تمہاری ہر بات کو مذاق میں اڑا دینے کی عادت۔''

''وہ تیپں...... اچھا چلیں میں اب سنجیدہ ہو جاتا ہوں اور۔'' میں نے یک دم اپنی مسکراہٹ غائب کرتے ہوئے کہا۔

''تمھیں اب شادی کر لینی چاہیے۔'' می نے تحمل سے کہا۔

''کیونکہ میری شادی کی عمر ہو چکی ہے اور اس لیے بھی کیونکہ میں آپ کا اکلوتا بیٹا ہوں اور اس لیے بھی کیونکہ آپ گھر میں تنہا ہوتی ہیں...... دیکھ لیں مجھے آپ کا پورا اسکرپٹ یاد ہے۔'' میں نے ان کی بات کاٹ کر بڑے اطمینان سے فخریہ انداز میں کہا۔

می کچھ لمحے خاموشی سے میرا چہرہ دیکھتی ہیں پھر انھوں نے صبر و تحمل کے سارے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑتے ہوئے کہا۔

''تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ میرے ساتھ سعیدہ کے گھر چلو گے یا نہیں؟'' انھوں نے ایک بار پھر اپنی اسی دوست کا نام لیا جن کی اکلوتی بیٹی کے وجود نے پچھلے تین سال سے میری زندگی حرام کر رکھی تھی۔ **Canada** ایم بی اے کرنے جانے سے پہلے می کئی سالوں بعد اپنی اس دوست سے ملی تھیں اور وہ میری زندگی کا تاریک ترین دن تھا کیونکہ انھیں اپنی دوست کی باحیا، پارسا اور شریف بیٹی بے حد پسند آ گئی تھی۔ مجھے ان کی اس پسند پر بالکل اعتراض نہ ہوتا مگر بدقسمتی سے انھیں وہ لڑکی میرے لیے پسند آ گئی تھی۔

''می جب مجھے آپ کی فرینڈ کی بیٹی سے شادی ہی نہیں کرنی تو ان کے گھر جانے کا کیا فائدہ؟'' میں نے بے حد سکون سے کہا۔

''تم ایک بار وہاں چلو تو...... تم دیکھ لینا وہ لڑکی تمھیں بھی اتنی ہی پسند آئے گی۔ میں نے تین سال پہلے اسے دیکھا تھا اور تب سے آج تک اسے اپنے ذہن سے نہیں نکال سکی۔'' می نے مجھ سے کہا۔

''جو نقشہ آپ اس لڑکی کا میرے سامنے کھینچتی ہیں وہ میری بیوی والا نہیں ہے۔ میں نے انھیں صاف صاف لفظوں میں بلاشبہ 250 ویں بار بتایا۔ ''ایک بار دیکھنے میں تو کوئی حرج نہیں۔'' می نے کہا۔

''آپ اسے یہاں منگوالیں میں دیکھ لوں گا۔'' میں جملہ بول کر پچھتایا۔ می کا پارہ آسمان سے چھونے لگا تھا۔

''یہاں منگوالوں؟ کوئی چیز ہے...... جانور ہے...... کیا ہے کہ یہاں منگوالوں...... خدا کسی کو اگر اکلوتی اولاد دے تو فرمانبردار دے......'' میں نے ان کی بات کاٹی۔

''ورنہ زیادہ بچے دے اور سارے نافرمان دے تاکہ ایک اولاد کو بار بار نافرمانی کے طعنے دے دے کر اس کی زندگی اجیرن نہ کی جا سکے۔'' میں نے چائے کا آخری گھونٹ اطمینان سے لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ می ناراضگی سے وہیں بیٹھی رہیں۔

تین سال پہلے **Canada** جانے سے پہلے میری شادی یا منگنی ٹائپ کی کسی چیز کا مسئلہ پہلی بار زیر غور آیا تھا۔ ماؤں کا خیال ہوتا ہے کہ وہ بیوی کی صورت میں کوئی نکیل لا کر اپنے بیٹوں کے ناک اور منہ میں ڈال دیں گی اور اس کے بعد جدھر چاہے انھیں دوڑاتی پھریں گی...... میری می بھی مختلف نہیں تھیں: پاپا اور وہ اپنی سوچ اور طور طریقوں کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ پاپا جتنے لبرل اور ماڈرن تھے۔ می اتنی ہی کنزرویٹو...... بلکہ **Rigid** کا لفظ استعمال کروں تو زیادہ بہتر ہو گا۔ مجھ پر دودھیال کا زیادہ اثر تھا اور می کو میرے دودھیال والے ایک آنکھ نہ بھاتے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ میرے ویسٹرنائزڈ ہونے کی بنیادی وجہ میرے دودھیالی کزنز اور ان کی فیملیز ہی تھیں جو میرے ساتھ سکول کالج میں پڑھتے رہے اور جن کے گھر میرا بہت آنا جانا تھا۔

اور بہت شروع سے ہی وہ اس خوف میں مبتلا ہو گئیں کہ اگر میں اپنے جیسی ہی کوئی آزاد خیال لڑکی پسند کر بیٹھا تو ان کا اور ان کی آنے والی نسل کا کیا ہو گا۔ وہ پہلے دبے لفظوں میں...... پھر کھلم کھلا...... اور پھر دوٹوک الفاظ میں میری ہر گرل فرینڈ کا فون ریسیو کرنے کے بعد مجھے بتا دیتیں کہ انھیں ''کیسی'' بہو چاہیے تھی۔ میں ہر بار ان کی ٹینشن کو کم کرنے کی کوشش کرتا اب گرل فرینڈز کے اس ہجوم میں میں بالآخر عمر کے اس حصے میں بیوی کی تلاش میں

مصروف نہیں تھا جب سب کیریئر بنا رہے ہوتے ہیں اور میں بھی تب سنجیدگی سے اگر کسی چیز کے بارے میں سوچتا تھا تو وہ کیریئر ہی تھا...... گرل فرینڈز پارٹیز، پھرنا پھرانا تو صرف شوق اور دلچسپی کی بات تھی۔

ممی کے برعکس پاپا نے مجھے Free hand دے رکھا تھا۔ انھیں پرواہ نہیں تھی کہ میں گھر سے باہر کیا کرتا تھا اور کس کے ساتھ پھرتا تھا انھیں اگر کسی چیز میں دلچسپی تھی تو وہ میرے گریڈز تھے اور میرے گریڈز ہمیشہ شاندار رہتے تھے۔'' تمھاری ممی کو خوامخواہ عادت ہے ہر چھوٹی چھوٹی بات پر ٹینشن لینے کی...... تم پرواہ مت کیا کرو۔ وہ ممی کے ہر ''ایمان افروز'' لیکچر کے بعد مجھے کہتے اور ممی کے لیکچر کا جو رتی برابر اثر ہوتا وہ بھی زائل کر دیتے۔

''میں تمھیں منگنی کیے بغیر Canada نہیں جانے دوں گی۔'' میرے گریجویشن کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر جانے کا ارادہ ظاہر کرتے ہی انھوں نے میرے سر پر ایٹم بم پھوڑا تھا۔ میں لو میرج کرنا چاہتا تھا مکمل لو میرج...... اپنی مرضی سے اپنی پسند کی لڑکی سے شادی اور ممی...... وہ میرے راستے میں کانٹے بچھا رہی تھیں یا کنواں کھود رہی تھیں میں جان نہیں سکا۔

''یہ نری جہالت ہے صفیہ...... سو سال پہلے لوگ اس طرح کرتے ہوں گے اب کون منگنیاں کر کے بیٹوں کو پڑھنے کے لیے باہر بھجواتا ہے۔'' پاپا نے بے حد ناراضگی کے ساتھ میری حمایت میں ممی سے کہا۔

''آپ کا بیٹا اگر منگنی کے بغیر باہر گیا تو شادی کر کے واپس آئے گا۔'' ممی نے جیسے پاپا کو خبردار کیا۔

''اگر میرا ایسا ارادہ ہوا تو وہ تو میں منگنی کے بعد بھی باہر سے شادی کر کے ہی واپس آؤں گا۔ آپ سمجھتی ہیں منگیتر نام کی چیز کوئی امام ضامن ہے جو باہر مجھے ہر لڑکی سے دور رکھے گی۔'' میں نے خاصی بدلحاظی سے کہا اور یہ بدلحاظی مجھے خاصی مہنگی پڑی۔ پاپا نے خاصی درشتی سے مجھے ڈانٹا۔

''ہاں ڈھونڈو اس کے لیے کوئی لڑکی...... بہتر ہے یہ منگنی کروا کر ہی باہر جائے۔'' انھوں نے اعلان کیا اور میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

''لڑکی ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے میری دوست کی بیٹی ہے مہر...... مراد کے لیے بالکل مناسب رہے گی...... ماشاء اللہ بہت خوبصورت، سادہ اور باحیا...... آج کل کی لڑکیوں سے بالکل مختلف ہے۔'' انھوں نے بڑے فخریہ انداز میں پاپا سے کہا۔ میرے پیٹ میں کوئی بڑی قوت سے گھونسے مارنے لگا۔

''آج کل کی لڑکیوں سے بالکل مختلف۔'' کا مطلب میں بڑی اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ کوئی قبل از مسیح کی لڑکی میرے لیے منتخب کیے بیٹھی تھیں مگر قبل از مسیح کی لڑکی پھر بھی قابل قبول ہو سکتی تھی وہ اپنی وضع قطع کے اعتبار سے اتنی آؤٹ ڈیٹڈ نہیں ہوتی جتنی میری ممی کی پسند کی لڑکی ہوتی۔

اگلا ایک ہفتہ میں باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر ممی سے اپنی اس دن کی گستاخی کی معافی مانگتا رہا تھا مگر ممی نرم نہیں پڑیں...... پھر کوئی معجزہ ہی ہوا کہ میری منگنی کے لیے ان کا جوش و خروش یک دم غائب ہو گیا۔ مجھے پھر بھی خدشات ستاتے رہے اور یہ خدشات صرف تب غائب ہوئے جب Canada جانے کے لیے کراچی ایئرپورٹ پر ممی اور پاپا سے گلے ملنے کے بعد میں ڈیپارچر لاؤنج میں داخل ہوا۔ بے اختیار میرا دل چاہا میں وہیں خوشی کے ساتھ چیخ مار کر اُچھلوں۔ سعیدہ آنٹی کی وہ صوم صلوٰۃ کی پابند بیٹی میری زندگی سے بہرحال غائب ہو گئی تھی یا دور ہو گئی تھی اور جس شدومد سے ممی اس لڑکی کو میری زندگی میں شامل کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔
یہ ایک معجزہ ہی تھا کہ میں اس سے چھٹکارہ پانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ماؤں کی سائیکی بڑی عجیب ہوتی ہے وہ اپنے بیٹوں کو اپنی مرضی کی لڑکی بیوی کے طور پر لا کر دینا چاہتی ہیں...... دوسرے الفاظ میں اپنی ہی ایک کاپی انھیں بیویوں کی صورت میں بخشنا چاہتی ہیں اور پھر یہ توقع بھی رکھتی ہیں کہ بیٹے آمنا صدقنا کہہ کر اس رشتہ کو نہ صرف قبول کر لیں بلکہ دل و جان سے اس کو نبھائیں بھی...... بدقسمتی سے میں ممی کی توقعات پر پورا نہیں اترا تھا کیونکہ میں نے ممی کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی...... ماں سے محبت اپنی جگہ مگر میں اس محبت میں کم از کم اتنا اندھا نہیں ہوا تھا کہ آنکھیں بند کر کے اپنی تمام خواہشات اور پسند کو ایک طرف رکھ کر صرف ممی کے کہنے پر ایک ایسی لڑکی کا ہاتھ ساری عمر کے لیے تھام لیتا جسے میں کسی سے اپنی بیوی کے طور پر متعارف کرواتے ہوئے شرماتا اور جھجکتا......

مگر یہ بات ممی کو اس وقت کون سمجھاتا۔

میں ان کے ساتھ ہر بات پر بحث کر سکتا تھا اور ہر بات پر بحث کیا کرتا تھا اور تقریباً ہر بات پر انھیں اپنی بات ماننے پر مجبور کر لیا کرتا تھا...... مگر صرف یہی ایک چیز ایسی تھی جہاں ممی اور میں کبھی متفق نہیں ہوئے...... ان کی اور میری پسند شمال اور جنوب ہی رہے۔ وہ میری پسند اور خوشی کے بارے میں سوچنے کی بجائے اپنی اگلی نسل اپنے پوتے اور پوتیوں کی اچھی تربیت کو اپنا ٹارگٹ بنائے ہوئے تھیں اور میں ان کی طرح اتنا **Selfless** نہیں ہو سکتا تھا کہ بیوی کا انتخاب کرتے ہوئے اپنی ساتھی کی بجائے اپنے بچوں کی ممکنہ ماں کے بارے میں سوچ کر کسی کو اپنی زندگی میں لاتا۔

ممی کا خیال تھا میں اپنی عمر کے دوسرے لڑکوں کی طرح لاپرواہ اور بے فکرا ہوں اور انھیں یہ افسوس بھی تھا کہ وہ میری اتنی اچھی تربیت کیوں نہیں کر سکیں کہ میں ان کی فلاسفی کو نہ صرف آسانی سے سمجھ جاتا بلکہ اسے اپنی زندگی کی فلاسفی بھی بنا لیتا...... جبکہ میں سمجھتا تھا میں اپنی زندگی کو ممی کے برعکس زیادہ حقیقت پسندی سے دیکھ رہا تھا۔

Canada اپنے تین سال کے قیام میں جتنی بار بھی میں نے کبھی دعا کی اس میں اس لڑکی کی شادی کی دعا ضرور کی صرف اسی طرح مستقل طور پر میری زندگی سے دفع ہو سکتی تھی...... نماز وغیرہ تو خیر میں پڑھتا نہیں تھا مگر اگر کبھی پڑھنے کا خیال آیا بھی تو صرف اسی ایک دعا کے لیے؟...... اور مجھے پورا یقین تھا کہ میری پاکستان واپسی سے پہلے ہی اس لڑکی کی کہیں نہ کہیں شادی نہیں تو منگنی...... کچھ نہ کچھ تو ہو ہی چکا ہوگا...... بدقسمتی سے ایسا کچھ نہیں ہوا...... تین سال کے بعد **Canada** سے واپسی پر رات سوپ پیتے ہوئے بے اختیار مجھے اس وقت پرا چھولگا جب ممی نے کہا۔

''بس اب تم آ گئے ہو میں سعیدہ کے پاس جاتی ہوں اس کی بیٹی کے لیے تمہارا پرپوزل لے کر۔'' میں نے بے اختیار دانت پیسے آخر پورا پاکستان مر گیا تھا میرے پیچھے کہ کسی نے اس لڑکی کے لیے پرپوزل ہی نہیں بھجوایا اور وہ میرے لیے ہی بیٹھی ہے۔

''ممی کم از کم فی الحال تو میری شادی کی بات نہ کریں ابھی تو میری فلائٹ کو پاکستان آئے ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا۔'' پاپا بھی میز پر تھے اور مجھے اپنی تین سال پہلے کی حماقت

یاد تھی اس لیے میں نے حتی المقدور اپنے لہجے میں شیرینی بھرتے ہوئے ممی سے کہا۔

''ہاں ابھی تو اسے آرام سے کھانا کھانے دو...... تم عورتوں کو بھی ہر وقت شادی بیاہ ہی کی پڑی ہوتی ہے۔'' پاپا نے ہلکی سی خفگی کے ساتھ ممی سے کہا۔ ممی اس وقت خاموش ہو گئیں۔

مگر پچھلے تین ماہ میں اس ایک رات کے علاوہ ہر دن اور ہر رات انھوں نے کوئی **3313** مرتبہ سعیدہ آنٹی کی اس بیٹی کی حیا، پارسائی، شرافت، خوبصورتی، سگھڑاپے، سلیقے، طریقے، لحاظ، مروّت، اخلاق، نرم خوئی اور صوم صلوٰۃ کی پابندی کا ذکر کیا ہوگا...... اور **3313** بار ہی میرا دل ڈوبا...... میں نے کب چاہا تھا کہ مجھے ان خوبیوں کا مرقع ٹائپ کی بیوی ملے۔ مجھے ایک ایسی بیوی کی خواہش تھی جو میرے ساتھ چلتی پھرتی اچھی لگے میں اسے لے کر پارٹیز میں جا سکوں جو اس طرح کا لباس پہنے اور اس طریقے سے رہے جیسا میں چاہتا تھا...... اور ممی جس طرح کی لڑکی کو اپنی بہو بنانے کے خواب دیکھ رہی تھیں مجھے ایسی لڑکیوں سے ویسے ہی چڑ تھی۔

''صوم وصلوٰۃ کی پابند'' لڑکی کو بیوی بنا کر گھر لانے کا مطلب تھا کہ میں ممی کے ساتھ ساتھ ایک اور نصیحت کرنے والی لے آتا...... جو سر تاج کہہ کہہ کر میرا سر کھا جاتی...... مجھے ''موت کا منظر'' اور ''قبر میں کیا ہوگا'' جیسی کتابوں سے حوالے دے دے کر ہولاتی رہتی۔

❁

''تم آج کل کیا کر رہے ہو؟'' پاکستان واپس آنے کے بعد اس دن میں اپنے کچھ پرانے دوستوں کے ساتھ ایک گیٹ ٹو گیدر میں تھا۔ جب میرے ایک دوست نے میرے پاس آ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''چند دنوں تک ایک ملٹی نیشنل کمپنی کو جوائن کر رہا ہوں پھر بس ساری فرصت ختم۔'' میں نے ہاتھ میں پکڑے گلاس سے سپ لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں میں تمہاری جاب کے بارے میں نہیں پوچھ رہا ہوں۔'' اس دوست نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

''پھر؟'' میں نے سپ لیتے ہوئے رُک کر قدرے حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''پھر یہ کہ میں پوچھ رہا ہوں کہ شادی وادی کا ارادہ کب تک ہے؟'' اس دوست

نے مسکراتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا۔

''کوئی نئی گرل فرینڈ...... کوئی نیا افیئر...... تم تو لڑکیوں کے بغیر چار دن نہیں رہ سکتے۔'' وہ اب طنز کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر اسی سیاہ لباس والی لڑکی کا تصور آیا...... اور یہ ان چند دنوں میں بار بار ہو رہا تھا...... کوئی بھی لڑکی کا ذکر کرتا اور میرے ذہن میں ایک جھماکے کے ساتھ وہ آ جاتی۔ یوں جیسے دنیا میں بس ایک ہی لڑکی رہ گئی ہو۔ ایک گہرا سانس لے کر میں نے اپنے دوست سے کہا۔

''نہیں فی الحال تو کوئی گرل فرینڈ ہے نہ ہی کوئی افیئر۔''

''اگر ایسی صورت حال خوش قسمتی سے پیدا ہو ہی گئی ہے تو پھر میری مانو تو شادی کر لو۔'' اس دوست نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے مجھے مشورہ دیا۔

''کیا تم نے کر لی ہے؟'' میں نے ہلکی سی ناراضگی کے ساتھ اس سے کہا۔ اس نے جواباً اپنا ہاتھ میرے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔

''کر لوں گا...... منگنی ہو چکی ہے میری۔'' ''مبارک ہو۔'' میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔

''اور اسی لیے اب تم دوسروں کی آزادی ختم کرنے کے درپے ہو۔'' میں نے شوخی سے کہا۔

''مشورہ دے رہا ہوں یار...... شادی کرنی تو ہے تم نے کبھی نہ کبھی۔''

''ہاں کبھی نہ کبھی...... مگر ابھی نہیں۔''

''ابھی کیوں نہیں...... تم پر تو کوئی ذمہ داری بھی نہیں ہے...... تعلیم تمہاری ختم ہو چکی ہے...... جاب مل چکی ہے...... گھر اپنا ہے...... پھر آخر شادی کر لینے میں کیا ہرج ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

''تم اس وقت بالکل میری ممی کی طرح باتیں کر رہے ہو۔ میں نے ہلکی سی ناگواری کے ساتھ مشروب کا ایک اور سپ لیا۔

''آج کل ممی 24 گھنٹے اٹھتے بیٹھتے اسی قسم کی باتیں کرتی رہتی ہیں...... اور اب تم بھی انھیں کی طرح بول رہے ہو۔'' میں نے جتانے والے انداز میں کہا۔

''وہ اگر ایسی باتیں کر رہی ہیں تو کیا غلط کر رہی ہیں...... آخر شادی کرنی تو ہے تم

نے...... اکلوتے بیٹے ہو آنٹی کی تو ویسے بھی خواہش ہو گی کہ جلد از جلد تمہاری شادی کر دیں۔'' اس نے ممی کی طرفداری کی۔

''اور پھر تمہارا ٹریک ریکارڈ بھی اسی قابل ہے کہ تمھیں جتنی جلدی ہو سکے کسی کھونٹے سے باندھ دیا جائے۔'' اس کا اشارہ میرے افیئرز کی طرف تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کے طنز کو نظر انداز کیا اور ایک اور سپ لیا۔

''پھر کیا طے کیا ہے؟'' وہ ہنوز وہیں تھا۔

''فی الحال تو یہ طے کیا ہے کہ میں اس موضوع پر تم سے مزید کوئی بات نہیں کروں گا۔'' میں نے جواباً کہا۔

''اور اپنی شادی کے بارے میں لائحہ عمل تمہاری شادی کے دوران ہی طے کروں گا...... کب ہو رہی ہے تمہاری شادی؟'' میں نے بات کا موضوع مہارت سے بدلا۔

............❁............

''مراد تم صرف ایک بار اس لڑکی کو دیکھ تو لو۔'' ممی اس دن پھر میری منتیں کر رہی تھی اور یہ چوتھا دن تھا جب میں نے لبرٹی بکس پر اس سیاہ لباس والی سفید لڑکی کو دیکھا تھا۔ اور چار دن سے میں مکمل طور پر اس کے خیالوں میں گم تھا اور پچھتاوے کا شکار بھی...... آخر میں کیوں اس طرح گونگا بنا رہا...... اس سے پہلے سینکڑوں لڑکیوں سے پہلی ہی ملاقات میں دوستیاں کر چکا تھا...... بلکہ لڑکیوں سے گفتگو میں استاد تھا۔ پھر آخر وہاں کیا ہو گیا تھا مجھے...... خوبصورت سہی مگر تھی تو لڑکی ہی پھر میں کیوں اتنا مرعوب ہو گیا تھا...... اور اگر اس سے بات نہیں کر پایا تو باہر نکل کر گاڑی کا نمبر ہی نوٹ کر لیتا بعد میں نمبر کے ذریعے ہی اسے ٹریس کر لیتا اب کراچی جیسے بڑے شہر میں ایک لڑکی کو کسی حوالے کے بغیر تلاش کرنا...... میں چار دن سے خود کو بڑی طرح ملامت کر رہا تھا اور اب ممی اُس لڑکی کے مقابل اس لڑکی کو لا کر کھڑا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''دیکھو میں تمھیں شادی پر مجبور تو نہیں کر رہی صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ ایک نظر اسے دیکھ لو۔''

''اور اگر اسے دیکھنے کے بعد میں نے آپ سے کہا کہ وہ مجھے پسند نہیں آئی تو؟''

میں نے یک دم کہا۔

''تو پھر میں تمھیں اس سے شادی کے لیے مجبور نہیں کروں گی۔'' ممی نے جیسے مجبوراً کہا۔

''صرف یہ نہیں آپ آئندہ کسی ایسی لڑکی کو مجھے دکھانے کے لیے بھی اصرار نہیں کریں گی۔'' میں نے ان کے سامنے اپنی شرط رکھی۔ وہ ہچکچائیں۔

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''یہ جیسی بھی بات ہے آپ اسے قبول کریں تو میں سعیدہ آنٹی کے گھر جاؤں گا ورنہ نہیں۔'' میں نے انھیں دوٹوک انداز میں کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' انھوں نے طوعاً کرہاً ہامی بھری۔ مجھے ان کے وعدے پر قطعاً یقین نہیں تھا مگر کم از کم میں اس ایک لڑکی سے چھٹکارہ پانے میں ضرور کامیاب ہو جاتا جو پچھلے تین سال سے مجھے بھوت کی طرح چمٹی ہوئی تھی۔

❁

دنیا کا سب سے بے ہودہ کام کسی ایسی لڑکی کو دیکھنے اور ملنے جانا ہے جسے آپ پہلے ہی ناپسند کرتے ہوں اور میں ممی کے منہ سے ہر وقت اس لڑکی کا ذکر سن سن کر اس سے پہلے ہی الرجک ہو چکا تھا۔ ممی کا خیال تھا وہ میرے سامنے ہر وقت اس کا ذکر کرتی رہیں گی تو میں کبھی نہ کبھی اس سے شادی پر تیار ہو جاؤں گا...... 21 صدی میں 19 صدی کے حربے......

اور اب میں بالآخر اس لڑکی کے گھر پر بیٹھا ہوا تھا۔

''بیٹا یہ کباب لو۔'' سعیدہ آنٹی نے پلیٹ میرے سامنے بڑھائی۔ انھیں اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت میں خود کباب ہو رہا تھا۔ ہر لڑکی اپنی ماں کی کاپی ہوتی ہے۔

ممی نے ایک بار مجھے کہا تھا اور صفیہ آنٹی کو دیکھ کر میرے پیٹ میں گرہیں پڑ رہی تھیں اگر ان کی بیٹی اس انداز میں چادر لپیٹ کر اس کمرے میں آئی تو میں تو ویسے ہی وہاں سے بھاگ جاؤں گا۔ اب ایسا بھی کیا بیک ورڈ ہونا کہ انسان گھر میں بھی چادر لپیٹے رکھے۔ میں بسکٹ کترتا نمائشی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے انکل سے باتیں کرتا تنقیدی نظروں سے سعیدہ آنٹی کا جائزہ لیتا رہا۔

ممی میرے وہاں ان کے ساتھ چلے آنے پر خوشی سے بے قابو ہو رہی تھیں اور انکل میرا بائیو ڈیٹا پوچھ رہے تھے اور ان کے ہر سوال پر مجھے طیش آ رہا تھا۔ یونیورسٹی میں پروفیسر ہونے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ انسان دوسرے کی زندگی کی کھدائی شروع کر دے۔ مجھے ان سے گفتگو کرتے ہوئے لگ رہا تھا وہ اپنا اگلا ریسرچ تھیسس شاید مجھی پر لکھنا چاہتے ہوں گے۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں ان سے کہوں کہ آپ کو میرے بارے میں اتنی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں آپ کی بیٹی سے شادی کرنے کی زحمت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور...... میں اس سے آگے کچھ نہیں سوچ سکا۔

کمرے میں داخل ہونے والی لڑکی نے میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑا دیے تھے اگر یہ ان کی بیٹی تھی تو...... ''مراد بیٹا یہ میری بیٹی ہے مہر اور مہر یہ صفیہ آنٹی کا بیٹا مراد۔'' ''سعیدہ آنٹی نے ہم دونوں کا تعارف کروایا تھا۔ میں نے گردن موڑ کر خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے ممی کو دیکھا۔ ان کا منہ بھی کھلا ہوا تھا انھیں کس شے نے حیرت زدہ کیا تھا۔ مجھے پتہ نہیں مگر میں لبرٹی بکس والی لڑکی کو سامنے دیکھ کر خود کو لعنت و ملامت کرنے میں مصروف تھا۔ آخر میں کیوں وہاں آنے سے تامل کرتا رہا تھا۔

''مہر'' میں نے دل میں اس کا نام لیا۔ وہ خود جتنی خوبصورت تھی اس کا نام اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھا۔ وہ اس دن بھی سلیولیس لباس میں ہی ملبوس تھی۔ ہاں مگر اس دن ایک عدد دوپٹہ اس کے گلے میں موجود تھا۔ سرخ لباس میں ملبوس وہ بالکل میرے مقابل کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی تھی اور اس انداز میں وہاں بیٹھی وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز لگ رہی تھی۔ سعیدہ آنٹی اور انکل سمیع یک دم مجھے پیارے لگنے لگے تھے۔ میری بیزاری اور اکڑپن کہیں غائب ہو گیا تھا۔ پہلے انکل سمیع کے سوال پر میں ایک جملے سے لمبا جواب نہیں دے رہا تھا اور اب میں ہر سوال کا جواب دس جملوں سے کم میں نہیں دے رہا تھا۔ مجھے انکل سمیع ہی کو نہیں مہر سمیع کو بھی متاثر کرنا تھا۔

❁......❁......❁

دسواں باب

تیرے عشق نچایا
کر کے تھیّا تھیّا
چھیتی آویں وے طبیبا
چھیتی بوہڑیں وے طبیبا
نئیں تاں میں مر گئی آں

عشق انسان کو کائنات کے کسی دوسرے حصے میں لے جاتا ہے۔ زمین پر رہنے نہیں دیتا...... اور عشق لاحاصل...... لوگ کہتے ہیں انسان عشق مجازی سے عشق حقیقی تک تب سفر کرتا

ہے جب عشق لاحاصل رہتا ہے...... جب انسان جھولی بھر بھر محبت کرے اور خالی دل اور خالی ہاتھ لے کر پھرے...... ہوتا ہوگا لوگوں کے ساتھ ایسا...... گزرتے ہوں گے لوگ عشق لاحاصل کی منزل سے...... اور طے کرتے ہوں گے مجازی سے حقیقی تک کے فاصلے...... مگر میری سمت اُلٹی ہوگئی تھی۔ میں نے عشق حقیقی سے عشق مجازی کا فاصلہ طے کیا تھا...... اور میں نے اپنی مرضی سے بقائم و ہوش و حواس ایسا کیا تھا...... مجازی کو نہ پا کر حقیقی تک نہیں گئی تھی حقیقی کو پا کر بھی مجازی تک آ گئی تھی...... اور اب در بہ در پھر رہی تھی۔

عابدہ پروین میرے سامنے بلھے شاہ کی کافی گا رہی تھی:

تیرے عشق نے ڈیرا میرے اندر کیتا
بھر کے زہر پیالا میں تاں آپے پیتا
چھیتی آویں وے طبیبا
چھیتی بوہڑیں وے طبیبا
نئیں تاں میں مر گئی آں
تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا
بلھے شاہ نوں سدو شاہ عنایت دے بوہے
جس نے مینوں پوائے چولے ساوے تو سوہے
جاں میں ماری ہے اڈّی مل پیا ہے وہیّا

میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی...... میرے ایڑیاں رگڑنے پر تو مجھے وہ شخص نہیں ملا تھا جسے میں نے چاہا تھا۔

ایس عشقے دی جھنگی وچ مور بولیندا
سانوں قبلہ تے کعبہ سوہنا یار دسیندا

''مہر'' صوبیہ نے میرے کندھے کو تھپکا۔ ''کیا ہوا؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ اپنے گھٹنوں میں سر چھپائے میں اس سے کیا کہتی کہ بلھے شاہ ٹھیک کہتا ہے۔ تین سال سے مجھے ہر آدمی کی آواز پر موی کی آواز کا گمان ہوتا تھا...... ہر نام ''موی'' لگتا تھا۔

سانوں قبلہ تے کعبہ سوہنا یار دسیندا

"چلو چلتے ہیں۔" میں یک دم اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "مگر...... تمہاری فرمائش پر تو آئے ہیں یہاں...... مہر...... رکو...... سنو تو......" میں رُکی نہیں تھی اسے تقریباً بھاگ کر میرے پیچھے باہر پارکنگ میں آنا پڑا تھا۔

سانوں قبلہ تے کعبہ سوہنا یار دسیندا

کوئی مجھ سے زیادہ اچھی طرح اس بول کا مطلب نہیں سمجھتا تھا۔ میں گاڑی کے بونٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ میں نے اپنا بیگ کھول کر سگریٹ نکالا اور لائٹر سے سلگایا۔ سگریٹ سکون نہیں دیتا بس یہ تسلی دیتا ہے کہ دنیا میں جلنے اور سلگنے والے صرف اکیلے ہم نہیں ہیں۔

"اگلی بار میں تمھارے ساتھ کسی کنسرٹ میں نہیں آؤں گی...... تم شاید اپنی نہیں دوسرے کی تفریح خراب کرنے کے لیے ایسی جگہوں پر جاتی ہو۔" صوبیہ میرے پاس آ کر غصے میں بولنے لگی۔ میں نے جواب نہیں دیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔

"اب گھر چلو گی یا گاڑی کے بونٹ پر ہی بیٹھی رہو گی۔" اس نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ میں چپ چاپ سگریٹ پیتی رہی وہ کچھ دیر کھڑی میرا انتظار کرتی رہی پھر خود بھی آ کر بونٹ پر بیٹھ گئی۔

"اب آسمان پر کیا نظر آ رہا ہے تمھیں؟" اس نے مجھے سگریٹ پیتے آسمان کی طرف دیکھتے پا کر پوچھا۔

"جب زمین پر کچھ نہیں ہے تو آسمان پر کیا نظر آئے گا؟" "سائیکالوجی پڑھ کر تم خود بھی سائیکو کیس ہی بن گئی ہو...... اتنا **Pessimism**...... اتنا **Pessimism**...... یوں لگتا ہے تم نے **Pessimism** کی کوئی مشین لگا لی ہے اپنے اندر...... یاد ہے ایک وقت تھا جب سب فرینڈز میں صرف تم ہوتی تھی جو ہر چیز کے مثبت پہلو کی بات کرتی تھی۔" وہ پتہ نہیں مجھے کیا یاد دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تین سال میں تم بالکل بدل گئی ہو...... کچھ اور ہی ہو گئی ہو تم مہر سمیع۔" اس نے مجھے خبردار کرنے والے انداز میں کہا۔ میں سگریٹ کا کش لیتے ہوئے مسکرائی۔

"تمھیں کیا لگتا ہے کیا ہو گیا ہے مہر سمیع کو؟" یہی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھیں ہوا کیا ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں ہوا...... میں بس دنیا دار ہو گئی ہوں۔"

"جانتی ہوں...... مگر ایمانداری کی بات ہے مہر...... تم دنیا دار ہو کر اچھی نہیں لگتی...... مجھے تو وہی مہر یاد آتی ہے اور پسند تھی جو اتنے اچھے طریقے سے چادر اوڑھتی تھی کہ ہم لوگ مرعوب رہا کرتے تھے...... جس سے ہم دعا کروایا کرتے تھے کیونکہ وہ ہم سب میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھی اور ہمیں اس کی دعا پر یقین تھا جو اتنے لمبے لمبے لیکچر دیا کرتی تھی ہمیں...... بے شک ہم تمھاری باتوں پر عمل نہیں کرتے تھے مگر ہمیں تم پر رشک ضرور آیا کرتا تھا...... ایمان سے تم ویسے ہی اچھی لگتی تھی۔ میں تو اس مہر کو بہت مس کرتی ہوں۔"

"تو پھر تم اس مہر کی طرح بن جاؤ...... مجھے ایسے ہی رہنے دو۔" میں نے لاپرواہی سے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"میں بن سکتی تو ضرور بن جاتی...... مگر میں دنیا اس طرح نہیں چھوڑ سکتی جس طرح تم چھوڑ سکتی ہو مہر۔" اس بار وہ بہت سنجیدہ تھی۔ میں ہنس پڑی۔ سگریٹ کا اُدھ جلا ٹکڑا دور پھینکتے ہوئے میں نے کہا۔

"اور میں اب دنیا چھوڑنا نہیں چاہتی...... گھر چلیں۔" میں اُٹھ کر گاڑی میں آ بیٹھی۔ صوبیہ اُلجھی نظروں سے ونڈ سکرین سے کچھ دیر پلٹ کر مجھے دیکھتی رہی پھر خود بھی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔

میں کیا بتاتی اپنی فرینڈز کو کہ میں زندگی میں کیا کر بیٹھی تھی...... اور جو کر بیٹھی تھی اس کا اعتراف ان کے سامنے کرنے کے لیے مجھے سمندر جیسا حوصلہ چاہیے تھا۔ اعتراف کا لمحہ عذاب کا لمحہ ہوتا ہے۔

تین سالوں نے مجھے بڑے عجیب طریقے سے بدلا تھا...... پتہ نہیں تین سالوں نے بدلا تھا...... یا اس حادثے نے...... یا پھر اس حقیقت نے کہ مومی نے دوبارہ کبھی مجھ سے رابطہ نہیں کیا...... مجھے بعض دفعہ حیرانی ہوتی کہ ان چند ہفتوں میں میں نے ایک بار بھی مومی سے اس کا نمبر جاننے یا لینے کی کوشش کیوں نہیں کی...... آخر ایک بار بھی مجھے یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ میرے پاس بھی اس کا نمبر ہونا چاہیے...... ہر بار وہ ہی مجھے فون کرتا تھا اور مجھے جیسے یقین تھا کہ وہ اسی طرح ہمیشہ فون کرتا رہے گا...... مجھے کبھی اسے فون کرنے کی ضرورت نہیں پڑے

گی...... مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ مجھے تب. کبھی اس خدشے یا خیال نے تنگ کیوں نہیں کیا کہ کبھی اگر اس نے مجھے کال نہ کی تو؟...... کبھی اگر مجھے ایمرجنسی میں اس سے رابطے کی ضرورت پڑ گئی تو......؟ کبھی اگر مجھ سے ناراض ہو کر اس نے مجھے فون کرنا بند کر دیا تو اسے منانے کے لیے ہی مجھے اسے کال کرنی پڑ سکتی ہے...... پتہ نہیں کیوں مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ میرے پاس بھی مومی کا نمبر ہونا چاہیے......

ان دنوں تو پچھتاووں کا ایک ڈھیر اکٹھا ہو گیا تھا۔ میرے پاس...... کبھی میں ایک بات پر پچھتا رہی ہوتی کبھی دوسری پر۔

خیابان شمشیر پر دوبارہ کبھی جانے کی جرأت بھی مجھ سے نہیں ہو سکی تھی...... اور رات کو سونا میرے لیے دنیا کا دشوار ترین کام ہو گیا تھا...... میں نے فرینڈز کے ساتھ فون پر لمبی لمبی گفتگو کرنا بھی بند کر دیا...... اور کیا کیا چھوڑ دیا میں نے...... اس کی صحیح فہرست میں نہیں بنا سکتی تھی...... البتہ دوسرے بتا دیا کرتے تھے۔

مجھے دوسرے بتانے لگے تھے کہ اب میں کیا کیا نہیں کرتی تھی...... اور کیا کیا کرنے لگی تھی...... اور مجھے کسی کی کوئی بات چونکاتی نہیں تھی...... اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ پہلے میں کیا کرتی تھی اور اب کیا نہیں کرتی تھی...... مگر شاید دوسروں کو بہت فرق پڑتا تھا...... لوگوں کو دوسروں کی ذات میں اور زندگی میں آنے والی ہر چھوٹی بڑی تبدیلی میں دلچسپی ہوتی ہے...... چاہے اس تبدیلی سے ان کا کوئی تعلق کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو۔

تین سالوں نے میری زندگی سے ''امید'' اور ''یقین'' نام کی چیزوں کو جڑ سے اُکھاڑ کر نکال دیا تھا...... میں تصویر کا صرف تاریک رخ ہی دیکھا کرتی تھی...... ہر چیز کے بارے میں بد سے بدترین انداز میں سوچتی...... اور مجھے کسی بھی چیز پر یقین نہیں رہا تھا...... بے یقینی کے علاوہ کسی دوسری چیز پر یقین نہیں رہا تھا۔

اگر میں Painter ہوتی اور میرے ہاتھ میں کوئی برش ہوتا تو میں اپنی زندگی کی تصویر کو سیاہ رنگ سے بناتی...... صرف اتنا نہیں...... بلکہ میں دنیا کی ہر شے کو سیاہ رنگ سے چھپا دیتی...... تاریکی اور سیاہ رنگ ایک عجیب سی رہائی اور فرار دیتے تھے مجھے...... کسی نہ کسی حد تک سکون بھی...... اور روشنی...... وہ تو بے پناہ اذیت کا باعث بن جاتی تھی میرے لیے......

میں چمگادڑ کی طرح روشنی سے بھاگتی تھی...... اور میں پتہ نہیں کس کس چیز سے بھاگنے لگی تھی۔

تین سال میں میرے پیرنٹس نے دو تین مرتبہ مجھے سائیکالوجسٹ کو دکھایا...... ہر بار جب میرا رویہ ضرورت سے زیادہ عجیب اور ان کے لیے زیادہ پریشان کن ہونے لگتا تو وہ مجھے سائیکالوجسٹ کے پاس لے جاتے۔ پھر اگلے کچھ ہفتے میرے سیشنز چلتے رہتے...... سائیکالوجسٹ مجھ سے وہ سب کچھ اگلوانے کی بہترین کوشش کرتا جو میں اپنے اندر کہاں دفن کر چکی تھی مجھے خود بھی پتہ نہیں تھا۔

ہر بار وہ میری خاموشی کا تجزیہ کرتا...... میرے موڈ **Swings** پر رائے دیتا...... اور ان ممکنہ وجوہات کے بارے میں بات کرتا جو میری **Personality** میں ہونے والے اس **Disorder** کا باعث ہو سکتے ہیں۔ ہر بار اس کی رائے غلط ہوتی...... اور یہ صرف میں جانتی تھی...... ورنہ بابا اور امی تو اس کی بات پر یقین لاتے ہوئے وہ سب کچھ کرتے جو وہ کہتا۔

سائیکالوجسٹ کا خیال تھا کہ میں اکلوتی اولاد ہوں شاید اس وجہ سے میں ڈپریشن کا شکار ہوں...... اس کا یہ بھی خیال تھا کہ میں گھٹن زدہ ماحول میں رہ رہی ہوں اس لیے اس طرح کے ردعمل کا اظہار کر رہی ہوں...... وہ اس کے علاوہ بھی میرے بارے میں بہت سی باتیں کہتا رہتا...... بہت سے قیاس اور مفروضات...... یہاں تک کہ وہ میرے ساتھ ساتھ میرے پیرنٹس کی **Personality** کا بھی تجزیہ کرنے لگا...... کیونکہ اسے شبہ تھا کہ میرے ڈپریشن کی وجہ میرے ماں باپ کے باہمی تعلقات یا ان کے میرے ساتھ تعلقات بھی ہو سکتے ہیں۔

مجھے بعض دفعہ سائیکالوجسٹ پر ترس آتا بعض دفعہ اپنے پیرنٹس پر...... میں اس تکلیف کا اندازہ کر سکتی تھی جو میرے روّیے سے انھیں پہنچتی تھی...... مگر میں اس تکلیف کا مداوا نہیں کر سکتی تھی...... میں **Self-control** کھو چکی تھی...... ایک عجیب سی بے حسی کا شکار ہو گئی تھی...... چہرے پر مسکراہٹ لانے کے لیے بھی مجھے خود کو بہت مجبور کرنا پڑتا...... اور پھر وہ مسکراہٹ بھی مسکراہٹ نہیں ہوتی تھی...... پتہ نہیں میرے چہرے کے ہر تاثر نے میرے دلی جذبات کا ساتھ دینا کب چھوڑ دیا تھا...... وہ بس ہر ایک تک ایک ہی تاثر پہنچانے لگے تھے...... ٹھنڈک اور سرد مہری کا......

گیارھواں باب

میں نہیں جانتا تھا میری خوشی کا دورانیہ اتنا کم تھا۔ مہر کے گھر کے گیٹ سے گاڑی باہر نکالتے ہی ممی نے کہا۔ ''یہ لڑکی اس قابل نہیں ہے کہ میری بہو بن سکے۔'' میرا پاؤں بے اختیار بریک پر پڑا۔

''آرام سے...... ایسی کیا آفت ٹوٹی ہے تم پر۔'' ممی کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔

''آپ مجھے اس لڑکی کے گھر صرف اس لیے لے کر گئی تھیں کہ بعد میں یہ کہہ سکیں۔'' میں بے یقینی سے ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''کم از کم گاڑی تو چلاؤ...... بات تو گاڑی چلانے کے دوران بھی ہوسکتی ہے۔'' ممی کی آواز میں بلا کی مٹھاس تھی اور میرے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں...... میں اچھی طرح جانتا تھا۔ آواز سے یک دم ٹپکنے والی شیرینی کا مطلب اور مقصد کیا ہوتا ہے اور خاص طور پر وہ اگر ماں کی آواز سے ٹپک رہی ہو تو...... تو اس کا کسی بھی زبان Accent اور dialect میں ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔ ''میں وہ نہیں ہونے دوں گی جو تم چاہتے ہو۔'' میں نے برق رفتاری سے اس مٹھاس کو ڈی کوڈ کیا اور کار آگے بڑھا دی۔ واقعی بات تو گاڑی چلانے کے دوران بھی ہوسکتی تھی۔

''ہاں تو ہم کیا بات کر رہے تھے؟'' ممی نے بے نیازی اور لاپرواہی کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے یوں ظاہر کیا جیسے ہم چند لمحے پہلے تک کسی انتہائی غیر اہم موضوع پر بات کر رہے تھے جو بات کرتے کرتے ان کے ذہن سے نکل گیا ہو۔

''میں آپ کو بتا رہا تھا کہ مجھے یہ لڑکی پسند ہے آپ اس سے میری شادی کر سکتی ہیں۔'' میں نے ان کی بے نیازی کا جواب ویسی ہی بے نیازی سے دیتے ہوئے کہا۔ ممی کی یادداشت یک دم واپس آ گئی۔

''میں تم سے کہہ رہی تھی کہ یہ لڑکی کسی بھی صورت میری بہو بننے کے قابل نہیں ہے۔'' انھوں نے کہا...... بلکہ کہا نہیں...... اعلان کیا۔

''مگر اس لڑکی میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو میں اپنی بیوی میں چاہتا ہوں۔'' میں نے بڑے تحمل سے کہا۔

''اور نہ بھی ہوتیں تب بھی میں اس سے شادی کر لیتا کیونکہ پچھلے تین سال سے......'' ممی نے میرے جھوٹ پر تاؤ کھاتے ہوئے میری بات کاٹی۔

''تین سال پہلے جب میں نے تم سے اس کا ذکر کیا تھا تو تب تو تم نے کہرام مچا دیا تھا۔''

''ہاں مگر بعد میں مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور Canada میں اپنے قیام کے دوران میں نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس بات کے لیے تیار کر لیا کہ مجھے وہیں شادی کرنا چاہیے جہاں آپ چاہتی ہیں۔'' میں نے سعادت مندی کی انتہا کرتے ہوئے کہا۔ مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس سٹیج پر ایسی سعادت مندی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔

''بس پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔'' ممی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''تم میری مرضی سے شادی کرو گے تو میں تمھارے لیے چاند سی بہو لاؤں گی۔'' ممی نے خلابازوں جیسے عزم کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''مگر مجھے اسی زمینی مخلوق میں زیادہ دلچسپی ہے جسے ہم ابھی دیکھ کر آئے ہیں۔'' میں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''اس طرح کی لڑکیاں اچھی بیویاں ثابت نہیں ہوتیں۔'' ممی نے کہا۔

''کس طرح کی لڑکیاں؟'' میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

''تم نے حلیہ دیکھا اس لڑکی کا...... کس طرح سلیولیس لباس میں منہ اٹھائے اندر آ گئی...... یوں جیسے امریکہ میں بیٹھی ہے۔'' ممی نے اسی مہر پر تنقید کرتے ہوئے کہا جسے وہ پچھلے تین سال سے ایک مثالی لڑکی کی مسند پر بٹھائے ہوئے تھیں۔

''مجھے تو وہ سلیولیس میں بہت اچھی لگی...... ساری دنیا پہن رہی ہے سلیولیس پھر اگر اس بے چاری نے پہن لیا تو کیا قیامت آ گئی۔'' میں نے مہر کی حمایت کی۔

''مجھے ایسی ہی لڑکی لانی ہوتی تو پورا شہر بھرا ہوا ہے...... اور اس سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ اونچے گھرانوں کی لڑکیاں...... پھر آخر اس میں کون سے سرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں کہ میں اسے ہی اپنی بہو بنا کر لاؤں۔''

''ممی کو میرا مہر کی حمایت کرنا اور برا لگا۔'' جیسے کہ ماؤں کو اکثر لگتا ہے۔

''تو پھر آخر تین سالوں سے آپ میرے پیچھے کیوں پڑی ہوئی تھیں کہ ایک بار اسے دیکھ لوں...... ایک بار اسے دیکھ لوں۔''

''مجھے کیا پتہ تھا کہ تین سالوں میں اس کا حلیہ ہی بدل جائے گا...... میری ہی غلطی تھی...... مجھے پچھلے تین سال میں اس سے ملتے جلتے رہنا چاہیے تھا تاکہ مجھے پتہ تو رہتا کہ وہ کیا گل کھلا رہی ہے۔''

''ممی...... مجھے مہر سے...... اور صرف مہر سے شادی کرنی ہے۔ آپ یہ بات کہیں لکھ لیں۔''

''کہاں لکھ لوں؟'' ممی نے مجھے گھورا۔

''شادی کے کارڈ پر۔'' میری حس مزاح اس وقت ممی کو بے حد بری لگ رہی تھی۔

''دیکھو مراد اس عمر میں اس طرح کی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں مگر جس لڑکی کے ساتھ شادی کرنی ہو اسے صرف بیوی کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے...... ماں اور دوسرے رشتوں میں بھی دیکھنا چاہیے...... ایسی لڑکیوں کو اپنے علاوہ کسی اور میں دلچسپی نہیں ہوتی نہ شوہر میں نہ بچوں میں نہ کسی اور میں۔'' ممی نے اپنی ٹون تبدیل کرتے ہوئے پھر ایک متنازعہ بیان دیا۔

''اس پر بحث ہو سکتی ہے ممی۔ مگر میں بحث نہیں کروں گا۔ مجھے مہر ہر صورت اور ہر حالت میں پسند ہے اور مجھے اسی کے ساتھ شادی کرنی ہے۔'' میں نے ایک بار پھر اپنا اعلان دہرایا۔

مہر کے گھر سے اپنے گھر تک گاڑی میں ممی نے مجھے ''ایسی لڑکیوں'' کے بارے میں بے شمار قصے سنائے...... کسی ایک قصے سے بھی میری ہمت نہیں ٹوٹی کیونکہ مجھے ''ایسی ہی لڑکیوں'' میں دلچسپی تھی اور اس **Species** سے نفرت تھی جس **Species** کی لڑکیوں میں سے کسی ایک کو ممی اپنی بہو اور میری بیوی کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھیں۔

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ مذہبی اور پردہ کرنے والی لڑکیوں کے لیے میری ناپسندیدگی کا آغاز کب ہوا تھا۔ میرا خیال ہے سکول میں...... اور پھر کالج میں یہ ناپسندیدگی اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی پھر کچھ واقعات بھی ایسے ہوئے جنھوں نے ان لڑکیوں کے بارے میں میری رائے کو اور خراب کیا۔ اپنے آپ کو پارسا اور باحیا سمجھنے اور ظاہر کرنے والی یہ لڑکیاں کردار کے حوالے سے دوسری لڑکیوں سے زیادہ کمزور ہوتی ہیں بلکہ بعض مواقع پر تو دوسری لڑکیوں سے زیادہ گری ہوئی حرکتیں کرتی ہیں۔ اسلام کی جن چیزوں سے مجھے اختلاف تھا اس میں ایک بنیادی پردہ کا ایشو ہی تھا۔ میری سمجھ میں کبھی نہیں آیا کہ صرف سر اور چہرہ یا جسم اچھی طرح ڈھانپ لینے سے پارسائی کا سٹرفکیٹ کیسے ملتا ہے اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں بے حیائی کا ٹھپہ کیسے لگتا ہے۔

Canada میں قیام کے دوران ایسی بہت سی فیملیز کی لڑکیوں سے میرا آمنا سامنا ہوتا رہا جو بظاہر ہر وقت حجاب اوڑھے رکھتی تھیں اور اپنے آپ کو **Practising** مسلم کے طور پر ظاہر کرتی تھیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے گھر والوں سے چھپ کر ایسی بہت سی

سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں جو اسلامی لحاظ سے کسی طور پر مناسب نہیں تھیں۔

میرے نزدیک کسی لڑکی کا بوائے فرینڈ بنانا یا سموکنگ کرنا اور نائٹ کلب جانا قابل اعتراض نہیں تھا میں لبرل تھا اور اس بات پر فخر بھی محسوس کرتا ہوں۔ میرے نزدیک قابل اعتراض صرف وہ منافقت اور دوغلا پن تھا جو ایسی لڑکیوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ میرے نزدیک وہ لڑکیاں بہتر ہیں جو اپنے آپ کو پارسا ظاہر کرنے کی سرتوڑ کوششیں کرتی پھرتی ہیں بلکہ زندگی کو صحیح معنوں میں انجوائے کرتی ہیں اور جیسی ہوتی ہیں ویسی ہی نظر آتی ہیں۔

مگر میں نہیں جانتا میری ممی نے اس طرح کی نیک پروین بہو کی Fantasy یا Fascination کب اور کیسے ڈویلپ کی تھی...... اگرچہ وہ خود نماز وغیرہ پابندی سے پڑھا کرتی تھیں مگر پردہ کی کچھ اتنی پابند نہیں تھیں مگر اب میرے بارے میں وہ جب بھی سوچتیں تو مجھے سو فی صد یقین ہے کہ اُن کے تصور میں میرے ساتھ جس لڑکی کا تصور (Image) آتا ہوگا اُس نے ضرور برقع اوڑھا ہوگا اور صرف بُرقع نہیں بلکہ افغانی برقع...... مجھے تو یہ بھی یقین تھا کہ وہ میرے لئے ایک ایسی لڑکی بیوی کے طور پر چاہتی ہوں گی جو خود مجھ سے بھی پردہ کرے اور میرے سامنے بھی تین فٹ لمبے گھونگھٹ میں ہی نمودار ہو۔

اور اب اگر خوش قسمتی سے اُن کی پسندیدہ لڑکی میرے پسندیدہ حلیے میں نکل آئی تھی تو انھوں نے کہرام مچا دیا تھا یوں جیسے وہ مجھے اپنی مرضی کی لڑکی دکھانے نہیں لے گئی تھیں بلکہ میں اُنہیں اپنی مرضی کی لڑکی دکھانے لے گیا تھا۔

جو بھی تھا ایک بات تو طے تھی کہ میں اگر کسی لڑکی سے شادی کرتا تو وہ مہر ہی تھی...... ممی چاہے اُسے پسند کریں یا نہ کریں۔ وہ مجھے پسند تھی اور اس دن اس کے گھر سے واپسی کے دوران ممی سے ہونے والی گفتگو کے بعد میں طے کر چکا تھا کہ مجھے اگر اس سے شادی کے لئے جان بھی دینی پڑے گی تو میں دوں گا...... اور دوسری طرف ممی بھی یہ ٹھان چکی تھیں کہ وہ کسی حالت میں مجھے اس لڑکی سے شادی کی اجازت نہیں دیں گی۔

رات کے کھانے پر پاپا سے ایک بار پھر اسی موضوع پر بات شروع ہوگئی۔ خلاف روایت اس بار یہ بات شروع کرنے والا میں تھا۔

''پاپا آج میں ممی کے ساتھ آنٹی سعیدہ کے گھر گیا تھا'' میں نے بے حد سعادت مندی سے کہا۔ ممی نے دانت کچکچا کر مجھے دیکھا۔

''اوہ گڈ۔'' پاپا مسکرائے۔

''تو تمہاری ممی بہرحال تمھیں ان کی بیٹی دکھانے کے لئے لے جانے میں کامیاب ہو ہی گئیں۔'' انھوں نے ایک نظر ممی کو دیکھا اور پھر مجھے۔

''کیا نام ہے اس لڑکی کا؟'' انھوں نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

''مہر'' میں نے بے اختیار کہا۔

''اوہ ہاں...... تو کیسی لگی تمھیں مہر؟'' انھوں نے بے حد دلچسپی کے ساتھ مجھ سے پوچھا۔ میں نے ایک نظر ممی کو دیکھا اور پھر بڑے اطمینان سے کہا۔

''ممی کی چوائس واقعی بہت اچھی ہے۔'' میں ممی کی دلی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

''یعنی تم کو مہر پسند آ گئی ہے۔'' پاپا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ میں ان کے سوال کا جواب دیتا۔ ممی نے کہا۔

''مگر مجھے وہ لڑکی پسند نہیں ہے۔'' پاپا نے چونک کر ممی کو دیکھا۔

''تمھیں سعیدہ کی بیٹی پسند نہیں ہے؟'' انھوں نے کچھ حیرانگی سے کہا۔

''ہاں مجھے وہ پسند نہیں ہے۔''

''مگر اتنے عرصے سے تو تم ہمیشہ مراد کے لیے اسی کا ذکر کرتی رہی ہو بلکہ تین سال پہلے تو تم نے مراد کا پرپوزل بھی اس لڑکی کے لیے دیا تھا۔''

''تب اور بات تھی مگر اب اور بات ہے۔'' ممی نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

''اب اور بات کیا ہے؟'' پاپا کی حیرانگی میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

''میرا خیال ہے مراد کو وہاں تم ہی زبردستی لے کر گئی ہو پھر ایسا کیا ہو گیا ہے؟''

''سمیع وہ لڑکی تو مراد سے بھی زیادہ ویسٹرنائزڈ ہو گئی ہے۔'' ممی نے پاپا کو ہولانا چاہا۔

''اچھا یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' پاپا نے بڑے اطمینان کے ساتھ سویٹ ڈش کھاتے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ مراد اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش رہیں گے

کیونکہ مراد کو تو پہلے ہی ایسی لڑکیاں پسند ہیں۔'' پاپا نے ایک نظر مجھے دیکھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''مگر وہ لڑکی مجھے پسند نہیں ہے۔''

''ساس کو بہو کبھی بھی پسند نہیں ہوتی...... تم اپنی پسند کی لڑکی کو بھی بہو بنا کر لاؤ گی تو بھی بعد میں اسے ناپسند کرنے لگو گی...... تو پھر یہی لڑکی ٹھیک ہے...... کم از کم جس نے شادی کرنی ہے اسے تو پسند ہے۔'' پاپا نے ایک بار پھر مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا ممی کو ان کے انداز نے اور برہم کیا۔

''ہر وقت کا مذاق اچھا نہیں ہوتا۔''

''میرا خیال ہے اس بار مذاق آپ فرما رہی ہیں۔'' پاپا نے ان کی بات کاٹ دی۔

''پہلے دن رات آپ اسی لڑکی کے قصیدے پڑھ رہی تھیں، وہ لڑکی ایسی ہے اور ویسی ہے...... اور اب جب آپ کے بیٹے کو وہ لڑکی پسند آ گئی ہے تو آپ کو اس پر اعتراضات ہونے لگے ہیں۔'' پاپا نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''ویسٹرنائزڈ ہو گئی ہے تو کوئی بات نہیں مراد بھی ایسا ہی ہے...... اور اگر کل کو کوئی دوسری لڑکی بھی لائیں گی تب بھی مراد کے نقش قدم پر ہی چلے گی وہ...... پھر آپ کیا کریں گی......؟ کیا میاں بیوی کو آپس میں لڑوائیں گی۔'' ''میں......'' ممی نے کچھ کہنا چاہا۔ پاپا نے ان کی بات دوبارہ کاٹ دی۔

''آپ یہ یاد رکھیں کہ یہ شادی آپ نہیں کر رہی ہیں، مراد کر رہا ہے لڑکی کو اس کی پسند کا ہونا چاہیے...... آپ کی شادی مجھ سے ہو چکی ہے۔ آپ مجھ پر اعتراضات کریں یا پابندیاں لگائیں...... You're most welcome'' پاپا نے جیسے بات ختم کر دی۔ میرا دل اس گفتگو پر خوشی سے باغ باغ ہو رہا تھا۔ مجھے اندازہ تو تھا کہ پاپا اس معاملے پر میری حمایت کریں گے مگر یہ یقین نہیں تھا کہ یہ حمایت اتنی کھلی اور دوٹوک ہو گی کہ مجھے تو منہ سے ایک لفظ بھی نکالنا نہیں پڑے گا۔

''تم ان لوگوں کو مراد کی پسندیدگی سے آگاہ کر دو...... اور انھیں ہمارے ہاں انوائیٹ کرو'' پاپا نے ممی سے مزید کہا۔ ''پر آپ میری بھی تو سنیں۔'' ممی نے احتجاج کی ایک

آخری کوشش کی۔

''ضرور سنوں گا مگر مراد کی شادی کے بعد۔'' پاپا نے کہا۔

''اب اگر اس نے شادی میں دلچسپی لے ہی لی ہے تو پھر اچھا ہے کہ جلد از جلد اس کی شادی ہو ہی جائے۔'' پاپا نے ٹیبل سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ممی نے کچا چبا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''ممی یہ ذرا فیرنی مجھے دیں...... مجھے لگتا ہے یہ اچھی بنی ہے۔'' میں نے بے حد معصومیت سے ممی کی نظروں کو نظرانداز کرتے ہوئے فیرنی کے ڈونگے کی طرف اشارہ کیا۔ ممی کا دل چاہا ہو گا ڈونگا میرے سر پر دے ماریں...... مگر وہ ماں تھیں انھوں نے ڈونگا مجھے تھما دیا۔

بارھواں باب

"تم آخر چاہتی کیا ہو؟" امی نے رات کو بالآخر تنگ آ کر مجھ سے پوچھا تھا۔ میں کنسرٹ سے واپسی پر کچھ دیر پہلے ہی کپڑے چینج کر کے اپنے کمرے میں بیڈ پر آ کر لیٹی تھی۔ جب وہ میرے کمرے میں آ گئی تھیں۔

"میں تو کچھ بھی نہیں چاہتی۔" میں نے تین سال میں بار بار دہرایا جانے والا جملہ دہرایا۔ میں واقعی اب کیا چاہ سکتی تھی۔

"تو پھر مراد پر کیا اعتراض ہے تمھیں؟" امی نے ایک بار پھر مراد کا ذکر چھیڑتے ہوئے کہا۔

"کوئی اعتراض نہیں ہے مگر میں شادی کرنا نہیں چاہتی۔"

"ہم تنگ آ گئے ہیں تمہارا انکار سن کر...... تم شادی نہیں کرنا چاہتی تو کم از کم یہ تو بتاؤ کہ کیوں نہیں کرنا چاہتی؟" امی نے تقریباً زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ میں کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتی کیونکہ میں موی کی جگہ پر کسی اور کو اپنی زندگی میں نہیں لا سکتی...... کیونکہ میں دوغلی زندگی نہیں گزار سکتی۔" میرے پاس ان کے سوال کا جواب تھا مگر اس جواب کو ان تک پہنچانے کے لیے ہمت نہیں تھی۔

"پتہ نہیں کیوں نہیں کرنا چاہتی۔" میں نے اپنا ماتھا رگڑتے ہوئے کہا۔

"تم ہماری اکلوتی اولاد ہو تمھیں اس کا احساس ہے...... آج مجھے یا تمھارے بابا کو کچھ ہو جائے تو تمہارا کیا ہوگا مہر۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ سے پہلے مجھے ہی کچھ ہو جائے...... پھر کم از کم آپ کو میری وجہ سے کوئی ٹینشن نہیں رہے گی۔" میں نے اطمینان سے کہا میرے اطمینان نے میری ماں کو ہولا دیا۔

"کس طرح کی باتیں نکال رہی ہو منہ سے...... تمھیں کیوں کچھ ہوگا......؟ مگر دیکھو مہر شادی تو ہر لڑکی کو کرنا ہی ہوتی ہے پھر تمھیں اگر کوئی پسند ہے تو ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ ہم تمہاری مرضی کی جگہ پر تمہاری شادی کر دیتے ہیں۔"

"میری مرضی کی جگہ......" میں نے سوچا۔

"مرضی کی جگہ؟"

"میری پسند کے مرد سے؟...... اور میری پسند کا مرد تین سال پہلے......" "کیا سوچ رہی ہو؟" امی نے میری سوچ کے سلسلے کو توڑا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے ان کا چہرہ دیکھا۔

"مجھے کوئی پسند نہیں ہے۔" امی کو یقین نہیں آیا۔

"یہ تمہاری زندگی کا معاملہ ہے اگر تمھیں......"

"جانتی ہوں امی یہ میری زندگی کا معاملہ ہے مگر مجھے کوئی پسند نہیں ہے۔" میں نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔ وہ کچھ دیر میرا چہرہ دیکھتی رہیں۔

"اگر پسند نہیں ہے تو پھر ہماری پسند سے شادی کرنے پر کیا اعتراض ہے تمھیں؟"

میں چپ رہی۔

"اور پھر دیکھو اس بار تو لڑکا بھی تمھارے جیسا ہے...... آزاد خیال...... تم پر کوئی روک ٹوک نہیں لگائے گا کیونکہ اسے تمہاری جیسی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں...... ہے بھی اکلوتا...... جس طرح کا تمہارا مزاج ہے تمھیں کسی کے ساتھ وہاں ایڈجسٹ منٹ کا مسئلہ نہیں ہوگا۔" میں نے امی کا چہرہ دیکھا وہ جانتی تھیں مجھے زندگی میں کبھی بھی کہیں بھی کسی کے ساتھ بھی ایڈجسٹ منٹ کا مسئلہ نہیں ہو سکتا تھا...... مجھے خاموش رہنا آتا تھا اور سب کچھ اپنے اندر رکھنے کی عادت تھی۔ "صفیہ بہت اچھی ہے...... میں 25 سال سے جانتی ہوں اسے...... تمھیں بڑے پیار کے ساتھ رکھے گی...... تمھارے بابا بھی یہی چاہتے ہیں...... اور دیکھو مہر اس بار تو ہم نے اس طرح کا لڑکا پسند کیا...... جس طرح کی تم ہو۔" امی نے میری خاموشی کو میری آمادگی سمجھتے ہوئے قدرے جوش سے کہا۔

"جس طرح کی میں ہوں؟...... اور میں کس طرح کی ہوں؟" میں نے اپنے اندر جھانک کر اپنا عکس دیکھنے کی کوشش کی۔ میں پتہ نہیں کس طرح کی تھی۔

"مجھے شادی نہیں کرنی۔" امی کو میرے جواب نے ناراض کیا۔

"تم اپنے انکار سے ہمارے پچھتاووں میں اضافہ مت کرو...... پہلے ہی میں اور تمھارے بابا پچھتاتے رہتے ہیں کہ ہمیں تمھیں اتنی آزادی نہیں دینی چاہیے تھی۔ جس حلیے میں تم ہر وقت رہتی ہو اس حلیے کی وجہ سے خاندان اور جاننے والے تو پہلے ہی ہماری کوششوں کے باوجود تمہارا پرپوزل قبول کرنے پر تیار نہیں...... ورنہ یہی لوگ تھے جو تین سال پہلے ہمارے آگے پیچھے پھرتے تھے...... اور اب وہ صاف کہتے ہیں کہ مہر ضرورت سے زیادہ آزاد خیال ہے اور ہمیں اس طرح کی بہو نہیں چاہیے...... اور ہم شرمندہ ہو کر رہ جاتے ہیں ان سے کیا بحث کریں...... ظاہر ہے خود ہمارا کوئی بیٹا ہوتا تو ہم بھی اس کے لیے تمھارے طور طریقوں والی بہو تو کبھی نہ لاتے...... سارا میل جول ہمارا ہماری ہی طرح کی فیملیز میں ہے اور ہم جیسی فیملیز میں اتنی آزاد خیال لڑکیوں کو کون قبول کرتا ہے...... اب صفیہ کی صورت میں میں تو سمجھتی ہوں کہ ایک فرشتہ ہی آیا ہے کہ جو بے چاری ہماری خاندانی ویلیوز رکھنے کے باوجود تمھیں بہو

بنانا چاہتی ہے کیونکہ تمہاری طرح اس کا بیٹا بھی بہت آزاد خیال ہے...... کسی اور جگہ تمہاری شادی کرنے کی کوشش کریں گے تو پتہ نہیں کیسے لوگوں سے سامنا ہو...... یہاں کم از کم مجھے یہ تو تسلی ہے کہ لڑکے کے ماں باپ کو ہم جانتے ہیں اور وہ دونوں بہت اچھے لوگ ہیں...... مگر تم ہو کہ تمھیں تو اس بات کی پرواہ ہی نہیں ہے کہ ماں باپ کیا سوچ رہے ہیں اور کیا چاہتے ہیں...... تمہاری وجہ سے تمھارے بابا ہر وقت مجھے ملامت کرتے رہتے ہیں...... کیونکہ انھیں لگتا ہے میں نے کبھی تمھیں روکا نہیں...... کبھی سمجھایا نہیں...... انھیں کیا پتہ کہ میں 24 گھنٹے یہی کام کرتی رہتی ہوں مگر تم صم بکم بن کر میرے سامنے بیٹھی رہتی ہو مجال ہے تم پر کوئی اثر ہو جائے...... اس سے تو اچھا تھا کہ ایک اولاد بھی نہ ہوتی...... کم از کم تمہاری وجہ سے لوگوں کے سامنے شرمندگی تو نہ اٹھانی پڑتی۔ ماسٹرز کرنا تھا وہ تم نے کر لیا اب کیا کر رہی ہو؟...... نماز قرآن تو کب کا چھوڑ دیا تم نے...... سارا دن تم باہر پھرتی رہتی ہو اور ساری رات تم کیبل لگا کر بیٹھی رہتی ہو...... وہ بند ہوتی ہے تو تم سٹیریو لگا لیتی ہو...... وہ بند ہوتا ہے تو تم گھنٹوں سوتی رہتی ہو۔ یا پھر فون لے کر بیٹھی رہتی ہو...... تمھیں نہ کسی آئے گئے کا پتہ ہوتا ہے نہ ہی اس بات کی پرواہ کہ میں اور بابا تمھیں اور تمہاری حرکتوں کو دیکھ دیکھ کر کتنے پریشان ہوتے رہتے ہیں...... یہ سب کچھ اس صوبیہ کی وجہ سے ہوا ہے...... ہمیں چاہیے تھا کہ ہم شروع میں ہی اس کے ساتھ تمہاری دوستی ختم کروا دیتے...... نہ تمہارا اس کے ساتھ میل جول ہوتا نہ تم اس کے رنگ میں رنگتی...... مگر ہم لوگ تو یہی سمجھتے رہے کہ ہم نے اپنی اولاد کی اتنی اچھی تربیت کی ہے کہ وہ صوبیہ جیسی سینکڑوں لڑکیوں کے ساتھ پھر کر بھی ویسی نہیں ہو سکتی...... ہمیں کیا پتہ تھا کہ ہماری اپنی اولاد ہی ہمارے لیے اتنی پریشانیاں کھڑی کر دے گی۔" امی غصے میں بولتے ہوئے میرے کمرے سے نکل گئیں۔ میں ان کے جذبات کو سمجھ سکتی تھی ان کو مجھ پر جتنا غصہ اور شرمندگی تھی مجھے اپنے آپ پر اس سے کہیں زیادہ غصہ اور شرمندگی تھی۔ اگر مہر سمیع کا بت کسی سڑک پر لگا ہوتا تو اس پر پتھر پھینکنے والوں میں میں سب سے پہلی ہوتی "Down with Mehr Sami" میں نعرے لگا لگا کر اپنا حلق زخمی کر لیتی...... مجھے اگر دنیا میں کچھ اور اچھا نہیں لگتا تھا تو مہر سمیع کیسے اچھی لگتی...... یہ سب کچھ مہر سمیع ہی کی وجہ سے تو ہوا تھا نہ وہ ہوتی نہ میں ننگے پاؤں اور ننگے سر دنیا میں کھڑی ہوتی۔

Rejection بہت کم لوگوں کو اتنی خوشی دے سکتی تھی جتنی مجھے دیتی تھی جو انسان اپنے آپ کو خود 24 گھنٹوں میں ہزاروں بار Reject کرتا ہو وہ کسی کی Rejection سے کیا سیکھے گا......؟ میرے ماں باپ کو لگتا تھا میرے لباس طور اطوار نے مجھے لوگوں کے لیے قابلِ اعتراض بنا دیا تھا...... وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کم از کم میرے اپنے لیے یہ لباس اور اطوار بہت سی آسانیاں پیدا کر رہے تھے...... یہ کسی دوسرے مرد کو میری زندگی میں آنے سے روک رہے تھے۔

تین سال میں ماں باپ کی معصوم پیاری اور باحیا مہر سمیع کہیں غائب ہو چکی تھی۔ اب صرف میں رہ گئی تھی جو زندگی کو اس طرح سے گزار رہی تھی جیسے گزارنا چاہتی تھی۔

پہلی بار دوپٹہ گلے میں ڈال کر گھر سے نکلنے پر میرے ماں باپ کو اتنا شاک نہیں لگا تھا جتنا اس دن لگا تھا جب میں سلیولیس شرٹ پہن کر گھر کے اندر ان کے سامنے پھرتی رہی تھی۔ مجھے نہیں پتہ انھوں نے مجھے کن نظروں سے دیکھا ہوگا...... جیسی نظروں سے بھی دیکھا تھا...... مجھے ان نظروں کی پرواہ نہیں تھی...... انسان اللہ سے نہ ڈرے تو کیا ماں باپ سے ڈرے گا؟...... معاشرے سے ڈرے گا؟ دنیا سے ڈرے گا؟

مجھ میں آنے والی تبدیلیوں نے یقیناً میرے ماں باپ کی راتوں کی نیندیں اُڑا دی تھیں...... وہ دونوں مجھے سمجھانے کی جتنی کوشش کر سکتے تھے کرتے رہے...... امی کئی ماہ مجھے عذاب کی وعید والی آیات اور احادیث کا ترجمہ کر کر کے سناتی رہیں...... پر مہر سمیع اب کس عذاب سے ڈرتی؟...... طوفانِ نوح تو اس کی زندگی میں آ کر گزر چکا تھا اور اس طوفان کے بعد مہر سمیع کی زندگی میں تو کوئی ''کشتی'' تک نہیں بچی تھی...... پھر کیا بچانا؟...... کیا چھپانا؟......

میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد نہ ہوتی اور میرے ماں باپ پڑھے لکھے نہ ہوتے یا میں تب اس نروس بریک ڈاؤن کی وجہ سے ہفتوں بیمار نہ رہتی اور میرے ماں باپ کو یہ خدشہ نہ ہوتا کہ مجھ پر سختی کرنے کی صورت میں مجھے پھر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ مجھ پر سختی ضرور کرتے...... مجھے گھر میں بند کر دیتے...... میری تعلیم چھڑوا دیتے...... مجھ پر پابندیاں لگاتے...... دوستوں سے میرا میل جول ختم کروا دیتے...... دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے مجھے مجبور کرتے...... کچھ کچھ ضرور کرتے وہ...... مگر جب اولاد اکلوتی ہو اور انسان کو اس اولاد سے عشق تو پھر کیسی

پابندی اور کہاں کی سختی...... انھوں نے بالآخر میرے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے...... یہ سوچ لیا تھا کہ میں آج کی لڑکیوں کی طرح ہو گئی تھی...... یہ بھی شکر تھا کہ آوارہ نہیں ہوئی تھی صرف جدید زمانے کے جدید تقاضوں کے مطابق چل رہی تھی...... اور جو کچھ کر رہی تھی وہ تو میری عمر کی ساری ہی لڑکیاں کرتی تھیں...... انھوں نے ایسے ہی بہت سے ڈھکوسلوں کے ساتھ خود کو بہلایا ہوگا۔ وہ اس کے علاوہ اور کیا کرتے۔

حیران کن بات ہے مگر میری فرینڈز نے مجھ میں آنے والی تبدیلیوں کو کچھ زیادہ گرم جوشی سے خوش آمدید نہیں کہا تھا۔ وہ حیران تھیں بلکہ حیرانگی سے زیادہ پریشانی کا شکار تھیں۔

''آخر ہوا کیا ہے تمھیں؟''

''یہ سب کیوں کر رہی ہو؟''

''پردہ کرنا کیوں چھوڑ دیا؟''

''بال کیوں کٹوا لیے؟''

''اس طرح کے کپڑے کیوں پہن رہی ہو؟'' اتنی چپ اور سنجیدہ کیوں رہنے لگی ہو؟

''نماز پڑھنا کیوں چھوڑ دی؟'' وہ وقتاً فوقتاً یہ سب سوال مجھ سے پوچھتی رہتیں......

''ایسے ہی۔''

''پتہ نہیں۔''

''دل نہیں چاہتا۔''

''کچھ نہیں۔''

''ویسے ہی۔''

''کوئی وجہ نہیں۔''

''نہیں......''

کہہ کہہ کر ان کے سوالوں کے جواب دیتی رہتی...... وہ ان سب سوالوں کی بجائے اگر کبھی غلطی سے یا اتفاقاً مجھ سے صرف یہ پوچھ لیتیں...... ''کیا تم کو محبت ہو گئی ہے......؟'' تو میں ان سے جھوٹ نہ بولتی۔ میں مومی کے بارے میں انھیں سب کچھ بتا دیتی مگر انھوں نے کبھی مجھ سے یہ سوال نہیں کیا...... جیسے کبھی کوئی مچھلی سے یہ نہیں پوچھتا کہ کیا وہ خشکی پر رہ سکتی

ہے۔ بالکل ایسے ہی ان کا خیال تھا مہر محبت نہیں کرسکتی......

''مہر''......اور''محبت''نہیں کرے گی؟

مگر شاید وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھیں۔ مہر سمیع جیسی لڑکی جو پاس سے گزرنے والے خوبصورت سے خوبصورت مرد کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتی تھی۔ وہ محبت کیسے کرسکتی تھی...... ان کو آخر شک کیسے ہوتا مجھ پر...... جب اپنا حلیہ بدلنے کے بعد بھی میں لڑکوں کے نام سے بھی بدکتی تھی...... بوائے فرینڈ بنانا......بس یہ ایک کام تھا جو میں نہیں کرسکی تھی میں لڑکوں سے بات نہیں کرسکتی تھی یہ نہیں تھا کہ مجھے ہر لڑکا مومی لگتا تھا بلکہ یہ تھا کہ مجھے کوئی بھی لڑکا مومی نہیں لگتا تھا...... اور لگ بھی کیسے سکتا تھا۔ مومی میرے لیے ایک چہرہ نہیں تھا صرف ایک آواز تھا......

اور میں نے تین سال میں کبھی اس آواز کو کسی چہرے اور وجود میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کی وہ بس میرے لیے آواز ہی رہا مگر اس ایک آواز نے مجھے یوں جکڑ دیا جیسے ریشم کا کیڑا ریشم کے تار میں جکڑا ہوتا ہے...... میں ٹھیک سے نہیں بتا سکتی وجہ کیا تھی...... صرف مومی یا کوئی پچھتاوا...... یا کچھ اور...... مگر میں کسی دوسرے مرد کی طرف دوبارہ ملتفت نہیں ہوئی...... شاید ملتفت کا لفظ میں نے ٹھیک استعمال نہیں کیا۔ میں نے کبھی کسی لڑکے سے دوبارہ شناسائی پیدا نہیں کی...... اس کے باوجود کہ صوبیہ کے ساتھ گھومتے پھرتے اس کے اپنے بہت سے فرینڈز اور جاننے والے اپنے فون نمبر مجھ تک پہنچاتے رہے۔ فون نمبر والی ہر چٹ ہاتھ میں لیے مجھے صرف ایک فون کال یاد آتی تھی...... ایک آواز......

''ہیلو می می...... میں مومی بول رہا ہوں...... مجھے تمھیں ایک خوش خبری سنانی ہے...... دھماکہ...... چیخیں...... می می...... می می...... میں مر رہا ہوں......''

میں ہر چٹ کو مٹھی میں مسل کر پھینک دیتی...... تین سال میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا تھا جب وہ آخری فون کال دن یا رات کے کسی نہ کسی وقت میرے ذہن میں نہ گونجتی...... تب میرے پاس سگریٹ ہوتا تو میں سگریٹ سلگا لیتی...... TV آن کر لیتی...... سٹیریو لگا لیتی...... میں اسے بھولنے کی کوشش نہیں کر رہی تھی صرف اس اذیت اور پچھتاوے کو کم کرنے کی کوشش کرنی تھی جس سے میں روز گزرتی تھی...... اور پھر کبھی کبھی میں سوچتی کیا تھا اگر تین سال پہلے مہر سمیع نے بھی مومی کا فون اٹھایا ہی نہ ہوتا...... اگر وہ مومی کو جانتی ہی نہ ہوتی...... مومی نام کا

کوئی لڑکا اس کی زندگی میں کبھی آیا ہی نہ ہوتا...... زندگی کاش سے شروع ہو کر کاش پر ختم ہو جاتی ہے......مگر میرا کوئی کاش میری زندگی کو بدل نہیں سکتا تھا۔

''بابا آپ نے مجھے بلایا ہے؟'' میں نے اس رات بابا کی سٹڈی میں داخل ہو کر ان سے پوچھا۔

امی نے کچھ دیر پہلے ہی مجھ تک ان کا پیغام پہنچایا تھا۔''ہاں بیٹھو۔'' بابا نے اپنے ہاتھ میں پکڑی کتاب بند کرتے ہوئے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آرہے تھے۔ میں نے ایک نظر ان کے چہرے کو دیکھا اور پھر خاموشی سے کرسی پر ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔

''تمہاری امی نے تم سے مراد کے سلسلے میں بات کی ہے۔'' انھوں نے تمہید باندھی تھی نہ ہی مجھ سے وہ معمول کے سوال کیے تھے جو وہ اکثر کرتے تھے۔ انھوں نے سیدھا اسی ایشو پر بات شروع کر دی تھی۔ میں چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔ انھوں نے اس سے پہلے کبھی اسی طرح کی بات مجھ سے اتنے ڈائریکٹ انداز میں نہیں کی تھی اس کے باوجود کہ میں ان سے بہت قریب تھی۔

''جی'' میں نے چند لمحوں کے بعد سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''اور تم نے انکار کر دیا؟''

''جی۔''

''کیوں؟''...... میں خاموش رہی......اس کیوں کا کیا جواب دے سکتی تھی۔

''میں ہمیشہ اپنے آپ سے ایک ہی سوال کرتا رہتا ہوں۔'' بابا نے چند لمحے میرا چہرہ دیکھتے رہنے کے بعد مدھم آواز میں کہنا شروع کیا۔

''کہ مجھ سے تمہاری پرورش میں آخر کہاں غلطی ہوئی؟'' میں نے سر اٹھا کر انھیں دیکھا۔ ان کی صرف آواز میں ہی رنجیدگی نہیں تھی ان کے چہرے پر بھی ملال تھا۔

''میں تو ساری زندگی رزق حلال کے علاوہ کوئی چیز اس گھر میں لے کر نہیں آیا...... پھر آخر ایسا کیا ہو گیا کہ میری اکلوتی اولاد میری نافرمان ہے۔''

''بابا میں نے تو کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔'' مجھے ان کی بات سے بے حد

تکلیف پہنچی۔

''زبان سے نہیں کی حرکتوں سے کی ہے۔'' انھوں نے میری بات کاٹ کر کہا۔

''بیٹیاں باپ کے سر کو اونچا کرتی ہیں نیچا نہیں کرتیں۔'' میں اس بار کچھ نہیں بولی وہ ٹھیک کہہ رہے تھے کم از کم اس معاملے میں میں ان کے سامنے سر اٹھا کر یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ میں نے کبھی ان کا سر نیچا نہیں کیا۔

''تم جس روش پر چل رہی ہو... ہمارے خاندان میں لڑکیاں ایسی روش پر کہاں چلتی ہیں...... اتنی آزادی کہاں ہوتی ہے انھیں جتنی آزادی ہم نے تمھیں دے رکھی ہے اور شاید یہ اسی آزادی کی وجہ سے ہے کہ آج تم ہماری بات ماننے پر ہی تیار نہیں ہو۔ تمھیں پرواہ ہی نہیں ہے کہ تمہاری وجہ سے لوگوں کا سامنا کرتے ہوئے ہمیں شرمندگی اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔'' ''میں جانتی تھی ان کا اشارہ کس طرف ہے...... میرے لباس کی طرف...... ہاں میں جانتی تھی کہ خاندان میں میرے اس لائف سٹائل کو ناپسند کیا جاتا تھا...... اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ میرے اپنے ماں باپ بھی ان تمام چیزوں کو ناپسند کرتے تھے۔

میں خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ''اب اگر ایک پرپوزل ایسا ہے جو......''

میں نے ان کی بات کاٹ دی۔ ''بابا آپ اور امی میری جہاں شادی کرنا چاہتے ہیں کر دیں...... مراد سے شادی کرنا چاہتے ہیں مراد سے کر دیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' میں نے ایک دم کہا اور بابا کو حیرت زدہ چھوڑ کر سٹڈی سے نکل آئی۔ میں اپنے پیچھے بابا کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ میں نے ہمیشہ کی طرح آج بھی انھیں پریشان کر دیا تھا...... وہ انکار ہوتا یا اقرار...... دونوں صورتوں میں وہ پریشان ہی ہوتے...... مگر میں نے جس طرح ان کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے وہ ضرورت سے زیادہ پریشان ہو رہے ہوں گے۔

مگر میں اور کیا کرتی...... میں نے کبھی یہ تصور نہیں کیا تھا کہ امی اس موضوع پر مجھ سے بات کرنے کے لیے بابا کو کہیں گی...... اور بابا کے لہجے میں جھلکنے والی شکست خوردگی میرے لیے کافی ثابت ہوئی تھی...... پتہ نہیں انھوں نے مجھ سے بات کرنے کے لیے کیا کیا سوچا ہوگا کہ وہ یہ کہیں گے تو میں یہ کہوں گی اور میں یہ کہوں گی تو وہ یہ کہیں گے...... مگر میں نے تو انھیں ایسا کوئی موقع ہی نہیں دیا تھا...... ان کی ایک نگاہ چہرے کا ایک تاثر اور چار جملے کافی

ثابت ہوئے تھے میرے لیے۔

اپنے کمرے میں آ کر میں اپنے اس اقرار کے بارے میں سوچتی رہی...... میں نے مراد کو پہلی بار اپنے گھر پر ہی دیکھا تھا اور پہلی نظر میں مجھے اس کے لیے کچھ محسوس نہیں ہوا تھا...... کچھ بھی نہیں...... اور ایسے مرد سے شادی کرنا جس کے لیے آپ کچھ بھی محسوس نہ کرتے ہوں...... کیسا تھا؟

لیکن میں اگر مراد کے لیے کچھ محسوس نہیں کرتی تھی تو کسی اور مرد کے لیے کب کرتی تھی؟...... کیا کر سکتی تھی؟

اس رات ایک بار پھر مجھے مومی یاد آیا...... اتنی بری طرح کہ...... آخر ایسا کیوں نہیں ہوا تھا کہ مجھے وہ مل جاتا۔ میری زندگی اس کے ساتھ گزرتی...... میرے نام کے ساتھ اس کا نام جڑتا...... ایک بار پھر سے میں تین سال پہلے ان تمام ہفتوں کے بارے میں سوچتی رہی جب مجھے یونہی لگتا تھا کہ میں مومی کی زندگی میں شامل ہو جاؤں گی...... بہت آسانی کے ساتھ...... کسی دشواری کے بغیر...... اور میں ان تمام خوابوں کے بارے میں سوچتی رہی جو تب میں مومی کے حوالے سے دیکھتی رہی تھی...... اور اب ایک دوسرا مرد...... پتہ نہیں...... کہاں سے ایک دم میرے سامنے آ گیا تھا...... ایک ایسا مرد...... جس سے چاہنے کے باوجود میں کبھی محبت نہیں کر سکتی تھی...... تو کیا میں اس کو فریب دینے والی تھی؟...... دھوکہ دے رہی تھی اس سے شادی کر کے؟...... میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

تیرھواں باب

"یار موی تو پاکستان آ جانا۔" میں نے ایک بار پھر اصرار کیا۔

"اگر میرے لیے ممکن ہوتا تو میں تمھارے اس اصرار کے بغیر ہی آ جاتا۔" اس نے جواباً کہا ہم دونوں پچھلے ایک گھنٹے سے فون پر باتوں میں مصروف تھے۔

"آخر ایسی بھی کیا تکلیف ہے تجھے کہ تو میری شادی پر بھی نہیں آ سکتا۔" میں نے ہلکی سی خفگی سے کہا۔

"تکلیف نہیں ہے یار بس مجھے چھٹی نہیں مل رہی۔" اس نے وضاحت دی۔

"تو پھر جاب چھوڑ دے۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"اور اس کے بعد پاکستان آ کر جوتے چٹخاؤں؟" وہ بھی جواباً ناراض ہوا۔

"خیر تمھارے جیسا کوالیفائیڈ بندہ پاکستان آ کر جوتے تو نہیں چٹخا سکتا۔" میں نے کہا۔

"تمھیں اچھی جاب مل جائے گی یہاں۔"

"جانتا ہوں اچھی جاب مل جائے گی مگر میں فی الحال پاکستان آ کر کوئی جاب ڈھونڈنے میں دلچسپی نہیں رکھتا...... کچھ سال تو مجھے یہیں رہنا ہے۔" اس کا اطمینان اور ضد برقرار تھی۔

"اچھا مت آ پاکستان بلکہ ہمیشہ کے لیے وہیں رہ جانا مگر یہاں آ کر میری شادی تو اٹینڈ کر لو۔" میں نے اس بار تقریباً منت کرنے والے انداز میں کہا۔

"تم پہلے تو مجھے یہ بتاؤ کہ یہ یک بیک شادی کا بھوت کیسے تمھارے سر پر سوار ہو گیا ہے۔" اس نے جواباً مجھ سے پوچھا۔

"بس یار مجھے محبت ہو گئی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا وہ بے اختیار ہنسا۔

"تمھیں اور محبت؟...... تمھیں ہر قسم کی بیماری ہو سکتی ہے مگر یہ بیماری نہیں ہو سکتی۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"تم یقین کرو یا نہ کرو تمھارے یار کو اس بار یہی بیماری ہو گئی ہے۔"

"کیوں تمھاری عقل کیا گھاس چرنے چلی گئی ہے؟" اس نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں مجھے بھی لگتا ہے کہ وقتی طور پر میرے دماغ کے سارے بلب فیوز ہو گئے ہیں۔ البتہ میرا دل آج کل بڑا روشن ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میں تمھیں محبت سے منع نہیں کرتا...... مگر یار یہ شادی...... شادی جیسی مصیبت مول لینے کے لیے کس نے کہا ہے۔" وہ بھی سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"میرے ماں باپ نے۔" میں نے بے ساختہ کہا۔

"اچھا اور تم تو بڑی فرمانبردار اولاد ہو ماں باپ کی کہ فوراً گردن ہلاتے ہوئے ان کی خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہو۔"

"یار میں اکلوتی اولاد ہوں اپنے ماں باپ کی ان کے بڑے ارمان ہیں میرے لیے۔" میں نے کہا۔

''ان کے ہمیشہ سے ہی بڑے ارمان تھے تیرے لیے جن پر تو نے ہمیشہ پانی پھیرا ہے پھر آخر اب کیا تکلیف ہوگئی ہے تجھے کہ سعادت مندی کا ڈرامہ کر رہا ہے۔'' وہ متاثر ہوئے بغیر بولا۔

''ڈرامہ نہیں کر رہا...... بتایا تو ہے تجھے کہ مجھے محبت ہوگئی ہے۔''

''نقلی والی تو تجھے پہلے ہی سینکڑوں بار ہوئی ہے اور اصلی والی کے تو قابل نہیں ہے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔

''تو مان یا نہ مان بہرحال اس بار مجھے واقعی اصلی محبت ہوگئی ہے۔''

''اچھا...... اور وہ کون سی لڑکی ہے جس کی زندگی برباد کرنے کا فیصلہ کیا ہے تم نے۔''

''اس کا نام مہر ہے۔'' میں نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''یہ نام تو نے خود رکھا ہے؟'' وہ مشکوک ہوا۔

''نہیں یار...... اس کا نام واقعی مہر ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

''میں نے اسے لبرٹی بکس میں دیکھا تھا۔'' میں نے بتانا شروع کیا۔

''سمجھو **Love at first sight** ہوا۔''

''ہمیشہ کی طرح۔'' اس نے لقمہ دیا۔

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔ ''اور اتفاق دیکھو کہ ممی پچھلے تین سال سے اسی ایک لڑکی کے ساتھ میری منگنی کرنے کی کوشش کر رہی تھیں اور میں مان نہیں رہا تھا۔'' میں نے ایکسائیٹڈ ہوتے ہوئے بتایا۔

''اور اب تین سال کے بعد ممی زبردستی مجھے اس لڑکی کے گھر اسے دکھانے کے لیے لے گئیں اور میں تو وہاں جا کر ہکا بکا ہوگیا۔ میرے تو خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ وہ مجھے وہاں ملے گی۔''

''پھر۔'' مومی نے تھوڑی سی دلچسپی لی۔

''پھر بس اب شادی ہو رہی ہے۔''

''یقیناً خوبصورت لڑکی ہوگی۔'' اس نے تبصرہ کیا۔

''وہ تو ظاہر ہے۔''

''اور فیشن ایبل بھی۔''

''ہاں یار...... تجھے پتہ تو ہے میری پسند کا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''وہ بالکل ویسی ہی ہے جیسی بیوی ہمیشہ سے میری آئیڈیل رہی ہے۔''

''چل پھر عیش کر۔'' اس نے کہا۔

''وہ تو میں کروں گا مگر تو پاکستان آنا۔''

''یار تیری سوئی بس میرے پاکستان آنے پر ہی کیوں اٹک گئی ہے؟'' وہ جھلایا۔

''ٹھیک ہے اگر میری شادی پر نہیں آؤ گے تو کل کو میں تمہاری شادی پر بھی نہیں آؤں گا۔'' میں نے اسے دھمکایا۔

''یہ ابھی بہت دور کی بات ہے اس لیے اس دھمکی کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔'' مومی نے اطمینان سے کہا۔

''ویسے میں کوشش کروں گا کہ تمہاری شادی پر پاکستان آ ہی جاؤں اور اگر اس سال نہ آ سکا تو پھر اگلے سال ہی آ سکوں گا۔''

''تو کوشش تو کر ہو سکتا ہے چھٹی مل ہی جائے۔'' میں نے ایک بار پھر اصرار کیا۔

''ہاں کوشش تو میں کروں گا ہی مگر مجھے کچھ زیادہ امید نہیں ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''تم اپنی شادی کی تصویریں مجھے بھجوانا ...... اگر میں نہ آ سکا تو۔''

''فی الحال تو میں صرف تمہارے آنے کا ہی انتظار کروں گا...... تصویروں کی بات مت کرو۔'' میں نے اسے ٹوکا۔ وہ ہنسنے لگا۔

نسبت طے ہونے کے چند ہفتوں کے اندر وہ میری بیوی بن کر میرے گھر پر تھی۔

وہ میری زندگی کا خوبصورت ترین دن تھا جس لڑکی کو لبرٹی بکس میں ایک نظر دیکھ کر میرا دل چاہا تھا کہ وہ میری ہو جائے وہ میری ہوگئی تھی اور اب جب وہ وہاں میرے سامنے بیڈ پر بیٹھی تھی تو مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ زندگی واقعی ناقابل یقین شے ہے۔

اس رات میں نے مہر سے جی بھر کر باتیں کیں اسے بتایا کہ میں نے اسے پہلی بار کہاں دیکھا تھا...... کیسے اس کے گھر میں اسے دوبارہ دیکھ کر میں خوشی سے بے قابو ہوگیا

تھا...... اس سے شادی کے لیے مجھے کتنے جتن کرنے پڑے تھے...... میں نے اسے سب کچھ بتایا...... اپنے دل کی حالت...... آئندہ آنے والی زندگی کے حوالے سے میرے منصوبے...... میرے خواب، خواہشات سب کچھ......

پھر یک دم مجھے احساس ہوا کہ وہ بالکل خاموش ہے...... خاموشی اتنی حیران کن بات نہیں تھی ظاہر ہے وہ پہلی ہی رات مجھ سے اس طرح باتیں تو نہیں کر سکتی تھی جیسے میں کر رہا تھا...... مگر وہ تو مسکرا تک نہیں رہی تھی۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا...... یا شاید جو تاثر اس کے چہرے پر تھا وہ میں پڑھنے سے قاصر تھا۔

میں نے اصرار کیا کہ وہ کچھ بولے اور اس نے جواباً جو کہا اس نے کچھ دیر کے لیے مجھے گونگا کر دیا۔ ''میرے پاس آپ کو بتانے کے لیے کچھ نہیں ہے آپ پھر بھی کچھ جاننا چاہتے ہیں تو سوال کریں میں آپ کو جواب دے دوں گی۔'' اس کی بات سے زیادہ اس کے انداز نے مجھے چونکایا کیا واقعی اس کے پاس مجھے خود سے بتانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا اور اگر نہیں تھا تو کیوں نہیں تھا۔

❁......❁......❁

چودھواں باب

وہ حیرانگی سے میرا چہرہ دیکھ رہا تھا اور مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری بات اسے اتنا حیران کرے گی۔

کچھ دیر وہ اسی طرح مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے کچھ اور کہنے کی بجائے ایک ڈائمنڈ رِنگ میرے ہاتھ میں پہنا دی۔ ''تمھیں یہ اچھی لگی؟'' اس نے مجھے اس رِنگ پر نظر جمائے دیکھ کر پوچھا۔ ''ہاں۔'' میں نے یک لفظی جواب دیا۔ وہ مسکرایا اور ایک بار پھر باتیں کرنے لگا۔ مجھے اس کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے اپنے حسن کے قصیدے سننے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی اور مجھے اس کے اظہار محبت میں بھی دلچسپی نہیں تھی۔

اسے اور مجھے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر کیے جانے والے دو دستخطوں نے اکٹھا کیا تھا اور میں نے اس کاغذ پر دستخط کر کے یہ قبول کیا تھا کہ وہ میرا شوہر ہے جس کے ساتھ میں زندگی گزاروں گی جسے میرے جسم پر اختیار ہوگا، اس جسم پر جسے اپنے گھر لانے کے لیے اس نے بھی اس کاغذ پر دستخط کیے۔ دل کے اندر لا بٹھانے کے لیے مجبور نہیں ہونا پڑے گا...... کیونکہ اس کو میرے دل میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اور زندگی کے 26 ویں سال مراد علی کو بالآخر عشق نام کی بیماری نے شکار کر ہی لیا تھا اور اس سے بھی مضحکہ خیز بات یہ تھی کہ وہ اپنی بیوی سے عشق کرنے والا دنیا کا پہلا مرد ہوگا...... لیکن میں کرتا کیا...... مہر نے مجھے اس قدر بے بس کر دیا تھا کہ اس کے علاوہ میرے ذہن میں کچھ آتا ہی نہیں تھا۔ لبرٹی بکس پر ایک بار دیکھے جانے کے بعد اگر وہ نہ ملتی تو شاید میں کچھ عرصہ کے بعد اسے بھول جاتا پر اب جب وہ میری زندگی میں شامل ہوگئی تھی تو میں 24 گھنٹے اس کے بارے میں سوچتا تھا...... ہر بار جب میں اسے دیکھتا تو وہ مجھے پہلے سے زیادہ خوبصورت لگتی۔ ہر بار جب وہ ایک نیا لباس پہن کر میرے سامنے آتی تو نئے سرے سے میرے ہوش اڑا دیتی۔ پہلے مجھے لگتا تھا اس پر سیاہ رنگ ہی قیامت اٹھاتا ہوگا۔ مگر بعد میں مجھے احساس ہوا کہ اس پر ہر رنگ یونہی دوآتشہ ہوتا ہے...... وہ ہر رنگ کو آگ لگا دیتی تھی۔

شادی کے شروع کے دنوں میں میں خود کو خوش قسمت ترین مرد سمجھتا تھا۔ اپنی مرضی اور پسند کی لڑکی سے شادی کے بعد ہر مرد انھیں احساسات سے گزرتا ہے۔

میں اسے ہنی مون کے لیے بھوربن لے کر گیا تھا اور وہاں اپنے دو ہفتے کے قیام کے دوران مجھے مہر کے بارے میں بہت عجیب سا احساس ہوا...... اس سے گفتگو شروع کرنا جتنا مشکل کام ہوتا تھا اسے جاری رکھنا اس سے زیادہ مشکل کام تھا...... وہ بعض دفعہ ایسا جواب دیتی تھی کہ میں اگلے کئی منٹ کچھ کہہ ہی نہیں پاتا تھا...... یوں لگتا جیسے وہ ایک اچھے مہذب جملے میں لپیٹ کر مجھے کہہ رہی ہو...... **Shut up**...... اور میں منہ بند کرلیا کرتا تھا۔

PC بھوربن میں پہلی رات قیام کے دوران میں نے ڈنر کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ”تم نے جب اس شام مجھے اپنے گھر پر دیکھا تھا تو تمھیں کیا احساس ہوا تھا؟“

”کس شام؟“

”جب میں تمھیں دیکھنے آیا تھا؟“

”کوئی احساس نہیں ہوا تھا...... آپ مہمان تھے۔“ اس نے بہت سادہ سے لہجے میں کہا۔

”مگر میں تمھیں کیسا لگا تھا؟“ میں نے اشتیاق سے اس سے پوچھا۔

”میں نے آپ پر غور نہیں کیا تھا۔“ مجھے ایک دھچکہ سا لگا...... میں اتنی عام سی شکل و صورت کا مالک تو نہیں تھا کہ مجھ پر غور ہی نہ کیا جاتا اور وہ بھی اس صورت میں جب ایک لڑکی یہ جانتی ہو کہ اس سے میری ملاقات اسی ”غور“ کے لیے کروائی جا رہی تھی۔ مجھے مہر کی بات پر یقین نہیں آیا لیکن اگر وہ یہ کہہ رہی تھی کہ اس نے غور نہیں کیا تو میں اس سے یہ کیسے منواتا کہ اس نے غور کیا تھا۔

”اچھا...... اور بعد میں جب میرے ہاں سے تمھارے لیے پروپزل آیا...... تب؟“ میں نے ہمت نہ ہارتے ہوئے کہا۔

”تب کیا؟“ وہ کھانا کھاتے کھاتے رکی۔

”تب تمھیں کیا احساس ہوا تھا؟“

”کس بارے میں؟“ اس نے اسی انداز میں پوچھا۔

”میرے بارے میں۔“ مجھے لگا میں اپنے آپ کو کہیں نیلامی کے لیے پیش کر رہا تھا۔

”کوئی احساس نہیں ہوا تھا۔“ اس کا لہجہ اور انداز اب بھی اتنا ہی بے تاثر تھا۔ وہ دوبارہ چاول کھا رہی تھی۔ میں بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

”تب بھی کوئی احساس نہیں ہوا تھا جب تمھیں پتہ چل گیا تھا کہ تمہاری شادی مجھ سے ہو رہی ہے؟“

”نہیں۔“ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”یہ ہمارے ہنی مون کا ”فارمل آغاز“ تھا۔ مگر اس بار میں برداشت نہیں کر سکا میری بھوک یک دم اڑنچھو ہوگئی۔“ میں نہیں مانتا...... کچھ نہ کچھ تو سوچا ہوگا تم نے میرے بارے میں؟...... ”آخر کیا سوچ کر تم نے میرا پرپوزل قبول کیا تھا؟“ ”میں نے نہیں کیا تھا......

میرے پیرنٹس نے کیا تھا۔''

''مطلب......تم کہیں اور شادی کرنا چاہتی تھی؟'' میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔

اس کے ایک جملے سے۔ ''میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔ ''پھر تم نے مجھ سے شادی کیوں کی؟'' میری تشویش ابھی بھی کم نہیں ہوئی تھی۔

''میرے پیرنٹس نے کہیں نہ کہیں تو میری شادی کرنی تھی سو آپ سے کر دی۔'' وہ جس بات کو اتنے عام سے انداز میں کہہ رہی تھی وہ اتنے عام سے انداز میں کہنے والی نہیں تھی۔ یعنی مجھ سے اس لیے شادی کی گئی کہ کہیں نہ کہیں شادی کرنی تھی۔ اور اس کہیں نہ کہیں میں ایک مراد علی کا گھر بھی تھا...... اس سے پہلے کسی نے مراد علی کی اتنی بے قدری اور بے توقیری نہیں کی تھی۔

میں اگلے تین گھنٹے خاموش رہا تھا جان بوجھ کر اس کو نظر انداز کرتا رہا مگر پھر مجھے احساس ہوا کہ میں اگر یہ توقع کر رہا تھا کہ وہ کوئی معذرت کرے گی یا مجھے منائے گی تو میں غلط توقع کر رہا تھا۔ اس نے تو شاید...... محسوس نہیں کیا تھا کہ اس کی بات مجھے بری لگی تھی...... اور میں کم از کم وہاں دو ہفتے صرف اس بات پر ناراض ہو کر خاموش رہنے کے لیے نہیں آیا تھا...... آخر یہ ہمارا ہنی مون تھا۔

***

مراد اگر تب مجھ سے یہ پوچھنے کی بجائے کہ کیا میں کہیں اور شادی کرنا چاہتی تھی یہ پوچھ لیتا کہ کیا میں کسی اور میں انٹرسٹڈ تھی...... کسی اور سے محبت کرتی تھی تو میں اسے ہاں میں جواب دیتی...... میں اسے مومی کے بارے میں بتا دیتی چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی ہوتا مگر میں اس سے جھوٹ نہیں بولتی۔ میں اسے سب کچھ سچ سچ بتا دیتی...... لیکن اس نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا۔

ہم دونوں دو ہفتے تک PC بھوربن رہے تھے اور ان دو ہفتوں میں مراد نے مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ شادی سے پہلے اور بعد کی اپنی سرگرمیاں، اپنی گرل فرینڈز، اپنے افیئرز......سب کچھ...... اس کا لہجہ ہمیشہ فخریہ ہوتا تھا اور اس کے ان انکشافات

نے میرے دل میں موجود احساسِ ندامت کو ختم کر دیا تھا۔ میں جو ہمیشہ یہ سوچتی آ رہی تھی کہ میں کسی دوسرے مرد سے شادی کرتے ہوئے اسے دھوکہ کیسے دوں گی۔ مومی کے ساتھ اپنے تعلق کو اس سے چھپانے کے لیے جھوٹ کیسے بولوں گی۔ مگر مراد نے مجھے اس کش مکش سے بچا لیا تھا۔ اس کی زندگی میں پاکستان اور Canada میں اتنی بہت سی لڑکیاں آتی رہی تھیں کہ اس کے لیے افیئر یا فلرٹ ایک بہت بے ضرر سی چیز بن گیا تھا۔ وہ اگر ایسی چیزوں میں انوالو نہ ہوتا تو اس کے ساتھ گزارے جانے والا ہر دن میرے احساس جرم کو بڑھاتا رہتا کہ میں ایک ایسے شخص کو دھوکہ دے رہی ہوں جس نے زندگی میں میری طرح کوئی غلط کام نہیں کیا...... مگر مراد کے ساتھ مجھے کبھی اس احساس کا سامنا نہیں کرنا پڑتا...... میں نہیں جانتی اگر میری زندگی میں مومی نہ آیا ہوتا تو مراد کے یہ سارے قصے سن کر میرا ردعمل کیسا ہوتا شاید نہیں یقیناً مجھے بہت تکلیف ہوتی مگر اب مجھ میں ایسا کوئی احساس پیدا نہیں ہوا۔

***

''تم شروع سے ہی اتنی کم گو ہو؟'' میں نے شادی سے کچھ عرصہ کے بعد مہر سے ایک دن پوچھا۔ ہم لوگ اس رات ایک ڈنر میں شرکت کے لیے جا رہے تھے۔ میں گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ میرے برابر بیٹھی ہوئی تھی اور حسب عادت میری باتوں کے جواب ہوں ہاں سے دے رہی تھی یا چند لفظوں اور زیادہ سے زیادہ ایک جملے میں...... تبھی میں نے اس سے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔ ''کیوں؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

اس نے حیرانگی سے میرا چہرہ دیکھا۔ ''کیوں؟''

''ہاں کیوں؟...... کیوں اتنی کم گو ہو؟''

''میں فطرتاً ایسی ہوں۔''

''حالانکہ تم اپنے پیرنٹس کی اکلوتی اولاد ہو...... ایسے بچے تو بڑے شرارتی اور شوخ مزاج ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میری مثال تمہارے سامنے ہے۔''

''ہاں مگر آپ مرد ہیں...... میں لڑکی ہوں، میری اور آپ کی فطرت ایک جیسی نہیں

ہوسکتی۔'' اس نے اسی انداز میں کہا۔

''آپ کو میری خاموشی بری لگتی ہے؟''

''نہیں بری نہیں۔''

''پھر؟''

''عجیب۔'' اس نے قدرے حیرانگی سے میرا چہرہ دیکھا۔

''بعض دفعہ مجھے لگتا ہے تم اس شادی سے خوش نہیں ہو۔'' میں نے اپنے ذہن میں بار بار آنے والا خدشہ اپنی زبان پر لاتے ہوئے کہا۔

''آپ غلط سوچ رہے ہیں۔''

''یعنی تم خوش ہو؟''

''ہاں۔''

''تو پھر اس خوشی کا اظہار کیوں نہیں کرتی؟''

''خوشی کا اظہار کس طرح کرتے ہیں؟'' اس نے مجھ سے بے حد عجیب سوال پوچھا۔

''مسکرا کر ہنس کر، باتیں کر کے، فرمائشیں کر کے۔'' میں نے اس سے کہا۔

''میں یہ سب کچھ کرتی تو ہوں۔'' اس نے ونڈ سکرین سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

''لیکن آپ مجھ سے شادی پر خوش نہیں ہیں تو......'' میں نے اس کی بات تیزی سے کاٹی۔ وہ بات کو غلط رُخ پر لے جا رہی تھی۔

''تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا کہ میں اس شادی سے خوش نہیں ہوں؟''

''آپ کی باتوں سے۔''

''خدا کا خوف کرو مہر۔'' میں نے ہلکی سی ناراضگی سے کہا۔

''میں تمہاری خوشی کی بات کر رہا تھا اور تم میری خوشی پر بات کرنے لگی ہو۔'' میں نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں تو بہت خوش ہوں......تم کو بتا تو چکا ہوں کہ میرے لیے یہ لو میرج ہے...... میں تو شادی سے پہلے ہی تمھارے عشق میں بری طرح غرق ہو چکا تھا۔'' میں اسے وقتاً فوقتاً یہ بات بتاتا رہتا تھا۔ وہ آہستہ سے مسکرا دی۔

کچھ دیر تک میں خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا پھر میں نے موضوع تبدیل کر دیا۔

''ممی بتاتی ہیں کہ تین سال پہلے تم بہت مذہبی ہوا کرتی تھی۔'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ممی کو غلط فہمی ہوئی ہے میں کبھی بھی بہت مذہبی نہیں ہوا کرتی تھی۔'' اس نے یک دم قدرے ترش لہجے میں میری بات کاٹ دی۔ میں اس کے لہجے کی رکھائی پر کچھ حیران ہوا۔ آخر ایسی کیا بات کہہ دی تھی میں نے کہا۔

''اچھا؟......مگر ممی تو کہتی ہیں تب تم بہت پردہ وغیرہ کرتی تھی اور......'' اس نے ایک بار پھر اسی رکھائی سے میری بات کاٹ دی۔

''اتنا پردہ نہیں کرتی تھی جتنا ممی سمجھی ہیں۔ انھیں میرے بارے میں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے۔'' مجھے لگا وہ کچھ خفا ہو رہی ہے اور مجھے حیرانگی ہو رہی تھی آخر اس موضوع پر بات کرتے ہوئے اس قدر ناراض ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ بہر حال میں نے موضوع تبدیل کر دیا۔

❀......❀......❀

پندرھواں باب

مراد سطحی ذہنیت کا خوبصورت مرد تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ وہ اچھے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھے عہدے پر فائز تھا...... مگر اس سب کے باوجود اگر مومی میری زندگی میں نہ آتا اور میں اپنی مرضی سے اپنے لیے شوہر کا انتخاب کرتی تو میں مراد کو کبھی اپنے لیے منتخب نہ کرتی...... امی نے غلط کہا تھا کہ وہ میرے جیسا تھا وہ میرے جیسا نہیں تھا وہ سوچے سمجھے بغیر بولنے کا عادی تھا اور ایسی باتیں بھی دوسروں کے سامنے کہہ دیا کرتا تھا جو دوسرے منہ سے نکالنے سے پہلے دس بار سوچتے...... وہ ویسٹرن Ethics لے کر پاکستان میں رہ رہا تھا۔ اس کی اور میری شخصیت میں بہت فرق تھا۔ اس کے باوجود کہ میں اپنی وضع قطع سے

اسی کی طرح کی ایک لڑکی نظر آتی تھی مگر مجھے کبھی بھی اپنے اور اس کے درمیان کوئی مشترک چیز نظر نہیں آئی ماسوائے اس کے کہ وہ بھی مذہب سے اتنا ہی دور تھا جتنا میں تھی اور صرف یہی ایک چیز تھی جو میرے لیے باعث اطمینان تھی کم از کم مجھے یہ خدشہ نہیں تھا کہ وہ مجھے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے مجبور کرے گا۔

اس کی اور مومی کی بہت سی باتیں ایک جیسی تھیں۔ شادی کے شروع کے دنوں میں مجھے اس کی آواز پر بھی کبھار مومی کی آواز کا گمان ہوتا مگر یہ گمان مجھے بہت سے دوسرے لوگوں کی آواز پر بھی ہوتا تھا...... اگر میں نے مومی کا چہرہ دیکھ رکھا ہوتا تو پھر مجھے ہر مرد کا چہرہ مومی کی طرح لگتا...... **Illusions**...... **Illusions**...... **Illusions**......

مگر مراد میں اور بہت کچھ بھی مومی جیسا ہی تھا...... اس کا سٹار عقرب تھا۔ اسے سفید رنگ پسند تھا وہ **D&G** لگاتا تھا...... اسے فرائیڈ چکن پسند تھا اور وہ سپرائٹ لیمن کے ساتھ پیتا تھا...... اور میں نے ان تمام چیزوں کو مومی کے لیے اختیار کیا تھا...... مگر پتہ نہیں کیا ہوا مراد سے شادی کے ابتدائی ہفتوں ہی میں میں نے آہستہ آہستہ یہ تمام چیزیں چھوڑ دیں...... میں نہیں چاہتی تھی اس میں اور مجھ میں کچھ بھی مشترک ہو...... میرا بس چلتا تو میں شاید اس کو مجبور کرتی کہ وہ ان تمام چیزوں کے بارے میں اپنی پسند تبدیل کر لے...... میں نہیں چاہتی تھی اس میں کچھ بھی مومی جیسا ہو۔

میں لاشعوری طور پر اسے ہر وقت ہر بات میں مومی کے ساتھ کمپیئر کرتی رہتی تھی اور وہ ہر معاملے میں مجھے مومی سے کمتر لگتا۔ میں مومی کے بارے میں بھی سب کچھ نہیں جانتی تھی مگر میں ہر چیز **Imagine** کر لیا کرتی تھی...... مومی کون سی بات کہتا اور کون سی کبھی نہیں کہتا...... مومی کون سا کام کرتا اور کون سا کبھی نہیں کرتا...... میں جس کو نہیں جانتی تھی اس کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔

مراد بہت سوشل تھا۔ وہ مجھے ہر دوسرے دن کسی نہ کسی پارٹی یا ڈنر میں لے کر جاتا رہتا اور وہ بے حد خوشی محسوس کرتا جب اس کے شناسا لوگ میری خوبصورتی اور لباس کی تعریف کرتے۔ اس کا حلقہ احباب مراد سے بھی زیادہ لبرل تھا۔ ان میں سے بعض مرد ڈائریکٹلی میرے جسم کی تعریف کرتے۔ انھیں میرا فگر اپیل کرتا تھا اور مراد ان تعریفی کلمات پر جیسے سرشار

ہو جاتا وہ اسے برے نہیں لگتے تھے کیونکہ وہ خود بھی وہاں موجود دوسروں کی بیویوں کو اسی طرح کے الفاظ میں سراہتا۔

اور اس سب کے بعد وہ مجھ سے یہ بھی کہتا کہ اسے مجھ سے شدید محبت ہے۔ ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو...... یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مجھ سے جھوٹ بول رہا ہو۔ مگر مجھے دونوں صورتوں میں کوئی اعتراض نہیں تھا...... نہ مجھے اس کی محبت کی ضرورت تھی اور نہ اس بات کی پرواہ کہ وہ کسی اور سے محبت نہ کر رہا ہو...... میں تب **Indifferent** تھی۔ عجیب سی بے حسی تھی جو میرے وجود پر طاری تھی۔

اور اس بے حسی کو توڑنے کی کوشش مراد کی ممی نے کی تھی۔

”بیٹا نماز پڑھا کرو...... شادی کے کچھ ماہ بعد ایک دن انھوں نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر کہا۔ ”کس لیے؟“ میرے سوال نے انھیں گنگ کر دیا تھا۔

”کس لیے؟...... بیٹا ہم مسلمان ہیں اس لیے...... مرنا ہے ہم سب کو...... اللہ کے پاس جانا ہے اس لیے......“ ان کے لہجے میں ہلکی سی ناراضگی تھی۔

”صفیہ تو اتنی عبادت گزار عورت ہے مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ اس نے آخر تمھیں یہ سب باتیں کیوں نہیں سکھائیں؟“ وہ بڑبڑا رہی تھیں۔

”تم BA میں تھیں جب میں پہلی بار تمھارے گھر گئی تھی اور مجھے تم اس لیے پسند آئی تھی کہ مجھے لگا تھا تم نماز کی پابندی کرتی ہو گی...... تمھاری وضع قطع ہی اور تھی تب...... میں نے تو تبھی طے کر لیا تھا کہ میں نے اسی لڑکی کو اپنی بہو بنا کر لانا ہے...... مگر بعد میں تو مجھے تمھیں دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی۔“ میں سر جھکائے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

”کیونکہ تم میں زمین آسمان کا فرق آ گیا تھا پر جو بھی تھا اب تم اس گھر میں آ چکی ہو...... تمھیں سے ہماری نسل آگے چلنی ہے۔ مراد کو تو دین کا کچھ پتہ ہی نہیں ہے مگر تمھیں تو فکر کرنی چاہیے...... ایسی بیوی اور ماں بھی کس کام کی......؟ جسے صرف سج سنور کر گھومنا پھرنا ہی آتا ہو...... دین کی الف بے سے بھی وہ واقف نہ ہو...... تم صفیہ کی بیٹی ہو۔ میری اکلوتی بہو ہو، مجھے بہت پیاری ہو اس لیے تم سے یہ سب کہہ رہی ہوں...... تم سیدھے رستے پر آ جاؤ گی تو مراد بھی اپنے آپ کو تبدیل کرے گا ورنہ اور کچھ سالوں کے بعد وہ دین سے بالکل ہی دور ہو

جائے گا۔“ میں اسی طرح خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی جس طرح امی کی باتیں سنتی تھی اور امی کی باتیں سعیدہ آنٹی کی باتوں سے کہیں زیادہ کڑوی کسیلی ہوتی تھیں وہ تو اس کے مقابلے میں مجھے کچھ بھی نہیں کہہ رہی تھیں۔

”تم دونوں سرِ شام باہر نکل جاتے ہو، رات کو بارہ ایک بجے واپس آتے ہو۔ پھر تم دونوں اسی وقت جاگتے ہو جب مراد کے آفس کا وقت ہو رہا ہوتا ہے۔ مراد کے جانے کے بعد تم سارا دن **TV** دیکھتی رہتی ہو...... پھر شام ہو جاتی ہے اور تم دونوں کی وہی روٹین شروع ہو جاتی ہے...... میں یہ نہیں کہتی کہ تم گھر کا کام کرو...... گھر کے کام کے لیے نوکر ہیں...... نہ ہی یہ کہتی ہوں کہ میرے پاس آ کر بیٹھو...... میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اور کچھ نہیں تو تم نماز اور قرآن تو پڑھ لیا کرو...... صبح فجر کے وقت اٹھا کرو...... مراد کو بھی اٹھایا کرو...... نہ بھی اٹھے تب بھی اس سے کہا کرو...... کبھی نہ کبھی تو اس کے دل میں خیال آئے گا کہ باقاعدگی سے نہ سہی وہ کبھی کبھار بھولے سے ہی نماز پڑھ لے۔“ میں ان کی باتیں سنتی رہی اور کیوٹکس لگے اپنے لمبے ناخنوں کو کھرچتی رہی۔

”اوپر سے تم کپڑے ایسے پہنتی ہو کہ میرے دل میں ہول اٹھتے ہیں کہ یا اللہ اس گھر کا ہو گا کیا......؟ اور مراد تو ہے ہی بے حیا کہ انھیں کپڑوں میں تمھیں ساتھ لیے پتہ نہیں کہاں کہاں پھرتا ہے...... میں نے کبھی اس گھر میں ہاف سلیو بھی نہیں پہنی حالانکہ مراد کے پاپا کا حال بھی مراد جیسا ہی تھا مگر تم سلیولیس کپڑے پہنتی ہو...... اور آگے پیچھے سے تمہارا گلا اتنا کھلا ہوتا ہے کہ مجھے عورت ہو کر تمھیں دیکھتے ہوئے شرم آتی ہے اور اگر ساڑھی پہن لو تو اس کے ساتھ تم اتنے چھوٹے چھوٹے بلاؤز پہنتی ہو کہ تمھارا سارا جسم عریاں ہو رہا ہوتا ہے۔ گھر کے مرد ملازم تمھیں کن نظروں سے دیکھتے ہیں تمھیں اس کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔“ مجھے اس دن پہلی بار اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے ناخوش تھیں یا شاید پریشان بھی تھیں۔

”تم تو اتنے اچھے طریقے سے دوپٹہ سینے پر پھیلائے رکھتی تھی، اتنا وقار ہوتا تھا تمھارے لباس میں جب میں نے تمھیں تین چار سال پہلے دیکھا تھا پھر تمھیں ہو کیا گیا ہے؟“ میں نے اب بھی سر نہیں اٹھایا۔

”میں یہ نہیں کہتی کہ تم ماڈرن لباس نہ پہنو...... یا یہ کہ تم چادر یا برقع اوڑھو...... تم

اپنی مرضی کا لباس پہنو مگر شائستگی تو ہونی چاہیے اس لباس میں...... یہ تو نہیں کہ پورا جسم نظر آ رہا ہو، دوپٹہ سر پر مت لو سینے پر تو لے لو۔ سلیولیس نہ پہنو ہاف سلیوز پہن لو...... ساڑھی پہنو مگر بلاؤز پورا پہنو۔'' میں اب بھی چپ تھی۔ انھوں نے میری امی کی طرح مجھے کوئی آیات اور احادیث نہیں سنائی تھیں۔

''مہر بیٹا انسان نے اللہ کو جواب نہ دینا ہوتا تو جو چاہے کرتا پھرے کوئی بات نہیں مگر دیکھو ہم سب نے مرجانا ہے...... ہمیشہ کے لیے دنیا میں زمین کے اوپر نہیں رہنا۔'' اس دن آنٹی سعیدہ نے دو گھنٹے تک مجھے لیکچر دیا تھا اور میں سنتی رہی تھی میری اپنی امی چار چار گھنٹے یہی کام کرتی تھیں میں تب بھی سنتی رہتی تھی۔ آنٹی سعیدہ کو اس دن یقین ہو گیا تھا کہ انھوں نے میرا دل بدل دیا تھا۔ میری امی کو بھی ہر بار یہی گمان ہوتا تھا۔

شام کو میں اور مراد باہر جانے کے لیے تیار ہونے لگے تو میں نے الماری سے ایک چادر نکال لی۔ مراد نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ''یہ چادر کس لیے؟'' ''ممی نے کہا ہے کہ میں مناسب لباس پہن کر باہر نہیں جاتی اس لیے میں نے سوچا ہے کہ میں چادر اوڑھ کر ان کے سامنے یہاں سے جاؤں گی پھر گاڑی میں اتار دوں گی...... میں نے بڑی رسانیت سے کہا۔
مجھے اندازہ نہیں تھا میرا وہ جملہ مراد کو اتنا ناگوار گزرے گا۔ وہ اسی وقت کمرے سے چلا گیا۔

مجھے بعد میں پتہ چلا کہ اس نے ممی سے اس ایشو پر بدتمیزی کی تھی اور اس کی وجہ سے پاپا نے بھی ممی کو بہت بُرا بھلا کہا تھا۔ مراد میری نظروں میں کچھ اور نیچے آ گیا تھا۔ سعیدہ آنٹی نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جو غلط تھی اور صحیح بات پر ان سے لڑنا...... اور پھر وہ مراد کی ممی تھیں۔ مراد کو اتنی چھوٹی سی بات پر ان سے لڑنا نہیں چاہیے تھا۔

سعیدہ آنٹی نے دوبارہ کبھی مجھے کوئی نصیحت نہیں کی مگر ان کے انداز میں وہ گرم جوشی بھی ختم ہو گئی جو اتنے ماہ میں ان میں اپنے لیے محسوس کرتی تھی۔ وہ مجھ سے صرف ضرورتاً بات کرتی تھیں۔ شاید ان کا خیال ہو گا کہ میں نے مراد کو ان کے خلاف بھڑکایا ہے اور وہ ساری باتیں بتا دی ہیں۔ حالانکہ میں نے مراد سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ سعیدہ آنٹی اچھی خاتون تھیں...... میری امی کی ہی طرح...... اور بعض دفعہ میرا دل چاہتا تھا میں ان کو وضاحت دوں مگر پتہ نہیں، ایک عجیب سی جھجک تھی جو میں محسوس کرتی تھی یا پھر شاید مجھے یہ خدشہ تھا کہ وہ مجھے

دوبارہ نصیحت کرنے لگیں گی۔

مراد کے برعکس مجھے اس کے ماں باپ دونوں اچھے لگتے تھے...... ان دونوں میں اپنی اپنی طرح کی خوبیاں تھیں...... پاپا کسی معاملے میں مداخلت نہیں کرتے تھے نہ ہی کسی پر کچھ **Impose** کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ممی بہت مذہبی تھیں مگر پاپا نے کبھی انھیں اپنے طریقے سے زندگی گزارنے پر مجبور نہیں کیا۔ مراد بہت زیادہ آزاد خیال تھا پاپا نے اس پر بھی کوئی پابندی نہیں لگائی۔ میرے ساتھ بھی پاپا کا روّیہ ایسا ہی تھا بہو کے طور پر انھوں نے میرے لیے کوئی دائرہ کھینچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ممی پاپا کے برعکس اور مزاج کی تھیں۔ وہ تعلیم یافتہ اور بہت خوش لباس تھیں مگر وہ اس طرح کے ماڈرنزم کو پسند نہیں کرتی تھیں جو میں نے اور مراد نے اختیار کر رکھا تھا۔ وہ اپنی باتوں اور مزاج کے اعتبار سے میری امی ہی کی طرح تھیں۔ نرم خو، خیال رکھنے والی اور زیادہ توقعات وابستہ کرنے والی۔

سولھواں باب

ہماری شادی کو ایک سال ہونے والا تھا اور میں مہر کے عشق میں مکمل طور پر گرفتار ہو چکا تھا...... اس کی خاموشی اب بھی ویسی ہی تھی مگر میں نے اسے اس کی عادت سمجھ لیا تھا کیونکہ میں نے اسے کسی کے ساتھ بھی کبھی ضرورت سے زیادہ بولتا نہیں دیکھا تھا پھر میں اسے عادت نہ سمجھتا تو اور کیا سمجھتا۔ مگر عادت سمجھنے کے باوجود بعض دفعہ میری خواہش ہوتی تھی کہ وہ بولے، بات کرے۔ اس طرح جیسے باقی لڑکیاں بات کرتی تھیں جیسے میری گرل فرینڈز کبھی مجھ سے بات کرتی تھیں۔ مگر اس کی خاموشی تھی کہ ختم ہی نہیں ہوتی تھی اور جب یہ ختم ہوئی تو سب کچھ ختم ہو گیا۔

اس دن صبح آفس جانے سے پہلے میں نے مہر کو رات کے کھانے پر کچھ اہتمام کرنے کے لیے کہا۔ میرا دوست مونس چار سال کے بعد پاکستان آ رہا تھا اور میری شادی کے بعد پہلی بار میرے گھر آ رہا تھا۔ ممی اور پاپا اس ویک اینڈ پر اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ اگر ممی وہاں نہ گئی ہوتیں تو میں مہر کی بجائے ممی سے کھانے پر اہتمام کی بات کرتا۔

”رات کو کتنے بجے آئیں گے آپ کے دوست؟“ مہر نے مجھ سے پوچھا۔ وہ مجھے گاڑی تک چھوڑنے آئی تھی۔

”سات آٹھ بجے تک آ جائے گا...... اور دیکھو تم بھی بہت اچھی طرح تیار ہونا، وہ پہلی بار تمہیں دیکھے گا...... تم وہ گرین ساڑھی پہننا جو تم نے یزدانی کے ڈنر پر پہنی تھی۔“ میں نے اسے ہدایات دیں۔ اس نے ہمیشہ کی طرح سر ہلا دیا۔ مجھے یاد نہیں اس نے کبھی میری کسی بات سے اختلاف کیا ہو یا انکار کیا ہو اور مجھے اس کی یہ عادت Odd لگنے کے باوجود پسند تھی۔

”مونس یہ میری بیوی مہر...... اور مہر یہ مونس ہے۔“ مراد نے مونس کے ساتھ میرا تعارف کروایا۔

”چار سال کے بعد یہ پاکستان آیا ہے اور آتے ہی سب سے پہلے میرے ہاں کھانا کھا رہا ہے۔“

”وہ اس لیے بھابھی کیونکہ اس نے پچھلے ایک سال میں مجھ تک آپ کی اتنی تعریفیں پہنچائی ہیں کہ مجھے آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔“ میں مونس کی بات پر مسکرائی۔

”ملنے کا یا صرف دیکھنے کا۔“ مراد نے بے تکلفی کے ساتھ کہا مونس مجھے دیکھتے ہوئے اس جملے پر کچھ جھینپا۔

”نہیں ملنے کا...... شادی کی تصویریں تو مجھے ای میل کے ذریعے بھجوائی تھیں تم نے۔“

”ہاں اور تم نے تائید کی تھی میری بات کی کہ ہاں بڑی خوبصورت بیوی ہے میری...... اب ذرا ویسے دیکھ کر بتاؤ کہ اپنی اس رائے پر قائم ہو۔“ مونس اس کی بات پر کچھ اور جھینپا۔

”میں سمجھتا تھا کہ تم کچھ ٹھیک ہو گئے ہو مگر تم ابھی بھی اسی طرح ہو۔“ اس بار اس نے مراد سے کہا۔

”ہاں میں تو اسی طرح ہوں اور مجھ میں تو اگلے 30 سال کوئی تبدیلی نہیں آئے

گی......اب میری بیوی خوبصورت ہے تو کیا میں پوچھوں نہ کہ خوبصورت ہے یا نہیں۔''

''میں کھانا لگواتی ہوں۔'' اس سے پہلے کہ مونس کچھ کہتا میں اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔اور مجھے احساس ہوا کہ مونس نے یقیناً میرے وہاں سے جانے پر خدا کا شکرادا کیا ہوگا۔

''تمھارے پریکٹیکل جوکس کا اب کیا حال ہے؟'' مونس نے کھانے کی میز پر مراد سے پوچھا۔

''شادی کر لی اس سے بڑا پریکٹیکل جوک کیا ہوسکتا ہے؟'' مراد نے اسی انداز میں جواب دیا۔

''بھابھی کو پتہ ہے تمھارے چکروں کا۔'' مونس نے اچانک بڑی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''ہاں یار سب پتہ ہے...... اپنی ساری گرل فرینڈز کے بارے میں بتا چکا ہوں اسے۔'' مراد نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔مونس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

''واقعی بھابھی؟'' میں نے جواب نہیں دیا صرف مسکرادی۔

''اور تمھارے پریکٹیکل جوکس......ان کے بارے میں بتایا ہے بھابھی کو۔''

''ان کے بارے میں تم بتادو...... تم کس لیے آئے ہو؟'' مراد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں چپ چاپ ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی مجھے نہ مراد کے افیئرز میں دلچسپی تھی نہ اس کے پریکٹیکل جوکس میں......مگر میں ہمیشہ کی طرح چپ چاپ ایک مسکراہٹ کے ساتھ ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

''وہ ایکسیڈنٹ والا کارنامہ سنایا تھا اپنا؟'' مونس اب مراد سے کہہ رہا تھا۔

''کون سا ایکسیڈنٹ والا؟'' مراد نے ماتھے پر چند بلوں کے ساتھ پوچھا۔

''Don't tell me...... کہ تمھیں اپنا Canada جانے سے پہلے آخری کارنامہ بھول گیا ہو۔'' مونس نے کچھ تنبیہی انداز میں کہا۔مراد نے یک دم قہقہہ لگایا۔

''My God......تم کو بھی کیا یاد آ گیا...... وہ Fake accident...... Good gracious۔'' مراد نے اپنی پلیٹ میں چکن کا ایک اور ٹکڑا رکھتے ہوئے کہا۔

''بھابھی مراد کو ہمیشہ الٹرا ماڈرن لڑکیاں اچھی لگتی تھیں...... اسے پردہ کرنے والی

لڑکیوں سے بڑی چڑ ہوتی تھی۔'' مونس اب مجھ سے کہہ رہا تھا۔

''چڑ؟...... مجھے ان سے نفرت تھی...... اور مجھے جتنی نفرت تھی مونس صاحب کو اتنی ہی ہمدردی تھی ان سے۔'' مراد نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''ایک دن میں رات کے وقت مونس کے گھر اس کے گھر سے کوئی کال کرنے لگا کہ لائن کراس ہوگئی۔ دو لڑکیاں فون پر بات کر رہی تھیں ایک لڑکی لبرل تھی اور دوسری کچھ زیادہ ہی دین دار بن رہی تھی۔ وہ پہلی لڑکی کو بڑی نصیحتیں کر رہی تھی۔

''مراد کے لہجے میں تضحیک اور تحقیر تھی۔'' بوائے فرینڈ بنانا غلط ہے یہ غلط ہے وہ غلط ہے۔ میں اور مونس کافی دیر ان کی باتیں سنتے رہے۔ مونس بڑا متاثر ہوا تھا اس دوسری لڑکی کی باتوں سے۔ مراد نے چھیڑنے والے انداز میں مونس سے کہا۔

''نہیں بھابھی یہ بات نہیں تھی۔ وہ لڑکی باتیں ٹھیک کر رہی تھی اور جو کچھ وہ دوسری لڑکی کو سمجھا رہی تھی وہ بھی ٹھیک......'' مراد نے مونس کی بات مذاق اڑانے والے انداز میں کاٹی۔

''میں نے تمھیں بتایا تھا نا کہ اس زمانے میں مونس کو ایسی لڑکیوں سے بڑی عقیدت ہوا کرتی تھی......فون تو ہم نے بند کر دیا مگر ان دونوں لڑکیوں کے حوالے سے ہم دو تین گھنٹے بحث کرتے رہے...... اب یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اگلے کچھ دن میں مونس کے گھر جاتا رہا اور اس مخصوص وقت پر جب بھی کال کرتا فون کی لائن کراس ہوتی اور اس وقت وہی دونوں لڑکیاں بات کر رہی ہوتیں...... میں تو تنگ آ گیا اس کی نصیحتیں سن سن کر...... مجھے یوں لگتا تھا جیسے دنیا میں وہی ایک پارسا ہو اور اس کا نزول ابھی کچھ دن پہلے ہی جنت سے ہوا ہو۔'' مونس مراد کی بات پر ہنس پڑا۔

''میں نے ایک دن مونس سے شرط لگائی کہ یہ لڑکی جو دوسروں کو بڑی نصیحتیں کرتی پھر رہی ہے...... اسے خود موقع ملے تو یہ دوسری لڑکی سے بھی بڑھ کر کارنامے کرے گی۔''

خوف کی ایک سرد لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں سے گزری تھی۔ مجھے صوبیہ اور اپنی گفتگو یاد آنے لگی تھی۔ فون...... وقت...... دو لڑکیاں...... بوائے فرینڈ...... نصیحتیں...... لبرل...... دین دار...... میں پلکیں جھپکائے بغیر مراد کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں لڑکیاں ہم نہیں ہوسکتی تھیں۔

''آپ کے شوہر کا ذہن شیطانی ذہن ہے بھابھی۔'' مونس نے مجھ سے کہا۔

''ہاں اور تُو تو بڑا فرشتہ ہے۔'' مراد نے کہا۔ میں بے حس و حرکت ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ہنستے، گپیں لگاتے، کھانا کھاتے ہوئے اس قصے کو دہرا رہے تھے۔

''500 کی شرط لگائی تھی میں نے مونس کے ساتھ کہ میں تمھیں اس لڑکی کو ٹریپ کر کے دکھاتا ہوں۔''

''اور میں نے کہا نہیں 1000 کی شرط لگاؤ کیونکہ مجھے یقین تھا یہ شرط ہار جائے گا وہ لڑکی اپنی باتوں سے اتنے مضبوط کردار کی لگتی تھی۔'' مونس کہہ رہا تھا۔

''اور میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ اگر اس بار یہ اس لڑکی کے ساتھ فلرٹ کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تو پھر یہ آئندہ پردہ کرنے والی لڑکیوں کے بارے میں اپنی بکواس بند کر دے گا۔''

''ایمانداری کی بات ہے مہر کہ اگر میں اس لڑکی کو ٹریپ کرنے میں ناکام رہتا تو میں واقعی ان لڑکیوں کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس لڑکی سے شادی ہی کر لیتا اس کے باوجود کہ اس زمانے میں۔'' مونس نے اس کی بات کاٹی۔

''ہر زمانے میں۔''

''او کے ہر زمانے میں مجھے الٹرا ماڈرن لڑکیاں پسند تھیں لیکن وہ لڑکی اگر واقعی اتنے اچھے کردار کی ہوتی جتنی وہ اپنی باتوں سے ظاہر ہوتی تھی تو میں ضرور......'' مونس نے ایک بار پھر مراد کی بات کاٹ دی۔

''ہمارے ایک دوست کا باپ ایکسچینج میں تھا مراد نے اس کے ذریعہ میرے فون کو چیک کروا کر دونوں نمبروں کو ٹریس کروالیا......اور پھر یہ اس لڑکی کو فون کرنے لگا......کیا نام تھا مراد اس لڑکی کا؟'' مونس مراد سے پوچھ رہا تھا۔

''اس لڑکی کا نام......اس کا نام......'' مراد ہاتھ روک کر سوچنے لگا۔

''ہاں می می نام تھا۔'' میرے کانوں میں ایک دھماکہ ہوا تھا یا پھر پگھلا ہوا سیسہ تھا جو اتارا جا رہا تھا......سامنے بیٹھا ہوا مرد کون تھا؟......کیا کہہ رہا تھا؟......کیوں کہہ رہا تھا؟

''میں نے اسے اپنا نام مومی بتایا تھا یہ مونس کا نِک نیم تھا......می می اور مومی

زبردست Combination بن گیا تھا۔'' مراد ہنس رہا تھا......

''وہ لڑکی چند بار کی گفتگو کے بعد ہی مجھے شادی پر مجبور کرنے لگی۔ تب میں نے پلان کیا کہ اس کو کہیں باہر بلواتے ہیں اور ہم دونوں اسے شرمندہ کریں گے۔ مگر وہ ملنے پر کسی طرح رضامند نہیں ہو رہی تھی۔ پھر میں نے ایک دن موبائل پر فون کر کے اس پر یوں ظاہر کیا جیسے میں اپنے بائیک سے گر گیا ہوں اور شدید زخمی ہوں...... میں نے اس کو مدد کے لیے آوازیں دیں......مگر وہ لڑکی آئی نہیں پھر بھی شرط میں جیت گیا تھا مونس بے چارہ تو اس کے بعد مجھ سے نظر نہیں ملا سکا۔''

''تو نے دوبارہ کبھی اس لڑکی کو فون کیا؟'' ''نہیں یار اس کے ایک ہفتہ بعد تو میں Canada چلا گیا تھا اور ویسے بھی میں بور ہو گیا تھا اس سارے تماشے سے......''

''کیا ہوا مہر؟......کھانا کیوں چھوڑ دیا؟'' مراد نے پہلی بار مجھ پر غور کیا تھا اور میں نے بھی پہلی بار ہی مراد کو دیکھا تھا......یا مومی کو دیکھا تھا......اس کی آواز جسے میں Illusion سمجھتی رہی......وہ آواز چار سال کے بعد ایک چہرہ بن کر میرے سامنے آ گئی تھی۔

سانوں قبلہ تے کعبہ سوہنا یار دسیندا
سانوں قبلہ تے کعبہ سوہنا یار دسیندا

میں چار سال کے بعد اس شخص کو دیکھ رہی تھی جس کے لیے میں عشق حقیقی سے عشق مجازی پر آئی تھی۔

تیرے عشق نے ڈیرا میرے اندر کیتا
بھر کے زہر پیالہ میں تاں آپے پیتا

میں نے جس آدمی کے لیے چار سال میں ''روح'' کو ''جسم'' بنا ڈالا تھا وہ میری پارسائی کو 1000 روپے کے لیے جانچ رہا تھا......

کوئی طلسم تھا جو ٹوٹا تھا مگر کہاں ٹوٹا تھا۔ ''اور انسان شر کو اس طرح مانگتا ہے جیسے خیر کو اور بے شک انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔''

میرے ہاتھ سے کانٹا چھوٹ کر پلیٹ میں گرا۔ پھر چھری...... میرے ہاتھوں کی گرفت سے باقی سب کچھ چار سال پہلے چھوٹ گیا تھا۔ جس مرد کے لیے میں سب کچھ

چھوڑے بیٹھی تھی اس کے لیے می می کیا تھی...... کچھ نہیں...... کچھ بھی تو نہیں...... اسے اس کا نام بھی بہت سوچ کر یاد آیا تھا...... اور میں تھی کہ موی کے نام کو گلے کا تعویذ بنائے پھرتی تھی۔ اس نام کو جس کا اس مرد سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا......

میں اس کا ''چہرہ'' دیکھ رہی تھی۔ جسے میں پہلی بار دیکھ رہی تھی...... وہ انسان تھا اسے میرے ساتھ یہی کرنا تھا۔ وہ خدا نہیں تھا جو رحم کرتا...... اور میں...... میں نے انسان کو چاہا تھا...... پالیا تھا...... اب جب پالیا تھا...... تو کیا پایا تھا...... ذلت، رسوائی، سفاکی، بے رحمی......

اس نے کہا تھا ان دونوں نے مجھے وہاں اس سڑک پر اس لیے بلوایا تھا کیونکہ وہ مجھے شرمندہ کرنا چاہتے تھے...... میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے...... کیا وہ تب مجھے شرمندہ کرنا چاہتے تھے یا کچھ اور کرنا چاہتے تھے...... جسٹ فار انجوائے منٹ یا جسٹ فار ایڈونچر...... اور انسان شر کو اس طرح مانگتا ہے جیسے خیر کو اور بے شک انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔

اور آئینہ مجھے اپنا عکس دکھا رہا تھا...... میرا میک اَپ سے لتھڑا چہرہ، میرے تراشیدہ بال، میرے عریاں بازو اور سینہ، شیفون کی مہین ساڑھی سے جھلکتا بلاؤز سے نیچے کمر اور ناف تک کا میرا جسم...... میں نے بے یقینی سے اس عکس کو دیکھا یہ مہر سمیع نہیں ہو سکتی تھی۔

''اے اللہ آپ کے فضل اور مہربانیوں کی کوئی کمی نہیں، میں قدم قدم پر آپ کو احسان کرتا ہوا پاتی ہوں۔ مجھ سے آپ کی مہربانیوں کا شکر ادا نہیں ہو پاتا، میری اس کمی کو درگزر فرما مجھے ہر درد اور تکلیف سے محفوظ رکھ۔ میرے دل کے سکون اور میری خوشیوں کی حفاظت فرما۔'' چار سال بعد میری ماں کی آواز کسی اسمِ اعظم کی طرح میرے وجود کے اندر گونجنے لگی تھی...... اور چار سال بعد...... ٹھیک چار سال بعد مجھے اللہ یاد آ گیا تھا وہ جو انسان کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہوتا ہے...... وہ جو اس کے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے اور دونوں کو عیاں کرنے کی قدرت رکھتا ہے...... وہ جس نے چار سال پہلے اس دن میرے سارے راستے مسدود کر کے مجھے گھر سے نکلنے نہیں دیا...... ان دونوں کے سامنے جا کر مجھے ذلت نہیں دی اس کے باوجود کہ میں غلط رستے پر تھی، پر اس نے میرے عیب کو ڈھانپ دیا، مجھ پر رحم کیا، میرے چہرے پر کالک نہیں ملی......

وہ اللہ جس نے میری زبان گنگ کر کے میرے ماں باپ کے سامنے میری عزت رکھی...... اور وہ اللہ جس نے اسی شخص کو میرا مقدر بنایا جس کے لیے میں نے دعا نہیں ضد کی تھی...... اور انسان شر کو اس طرح مانگتا ہے جیسے خیر کو اور بے شک انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔

چار سال کے بعد مجھے وہ اللہ یاد آیا تھا جس سے میں رحم مانگتی تھی اور وہ مجھ پر رحم کرتا تھا...... اور میں چار سال کے بعد اس کے سامنے کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہی تھی۔

سانوں قبلہ تے کعبہ سوہنا یار دسیندا

اور میں نے اس عشق کا اصلی چہرہ دیکھ لیا تھا جسے میں قبلہ اور کعبہ بنائے بیٹھی تھی......

1000 روپیہ...... میں نے اللہ کو ایک مرد کے لیے جانچا تھا...... اور اس مرد نے مجھے ایک ہزار روپے کے لیے۔ حساب برابر ہوا۔

سانوں قبلہ تے کعبہ سوہنا یار دسیندا

میں نے ساڑھی کے پلو کے ساتھ اپنے عریاں جسم کو ڈھانپنے کی کوشش کی...... میں ناکام رہی...... شیفون کی ساڑھی برہنہ جسم کو ڈھانپ لیتی مگر میری تو روح عریاں ہو رہی تھی۔

''اور انسان شر کو اس طرح مانگتا ہے جیسے خیر کو اور بے شک انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔'' ہاں میں نے چار سال پہلے راتوں کو جاگ کر تہجد میں اپنے لیے شر ہی لیا تھا۔ وہ شر جس سے اللہ نے مجھے بچا لیا تھا مگر میری ضد تھی کہ مجھے ''وہ'' ملے...... ''وہ'' ہی ملے...... تو پھر اس نے مجھے ''وہ'' دے دیا تھا۔ آخر مجھے اللہ سے مانگنا آتا تھا میری دعا کیسے قبول نہ کرتا......

میں چار سال پہلے کی مہر سمیع ہوتی اور موی میری زندگی میں نہ آیا ہوتا تو میں مراد جیسے شخص کو اپنی زندگی کا ساتھی کبھی نہ بناتی۔ سطحی ذہنیت کا وہ خوبصورت مرد۔ وہ آدمی نہیں تھا جس کے ساتھ میں اپنی زندگی گزارنا چاہتی تھی...... اسے اللہ نے میرے مقدر میں لکھا بھی نہیں تھا مگر میں نے ضد کی تھی، دعا سے اپنا مقدر بدلا تھا...... اور اس بدلے ہوئے مقدر کو دیکھ کر اب مجھے خوف آ رہا تھا۔ میں کیسے اس آدمی کے ساتھ رہوں گی جسے میں نے خود لیا تھا۔

میرا دل چاہا میں اس گھر سے بھاگ جاؤں، دنیا سے بھاگ جاؤں...... وہاں اب

میرے لیے کچھ نہیں رہا تھا...... چند منٹ لگے تھے مجھے اپنے کمرے سے کار کی چابی اٹھاتے اپنا موبائل لیتے...... میں نے اس گھر پر آخری نظر بھی نہیں ڈالی...... میں نے اس گھر کے لیے بہت بڑی قیمت ادا کی تھی۔

''مجھے پتہ نہیں تھا بھابھی کو یہ سب کچھ اتنا بُرا لگے گا، تمھیں چاہیے تھا مجھے روک دیتے۔'' مونس نے معذرت خواہانہ انداز میں مہر کے ڈائننگ روم سے نکلنے کے بعد مجھ سے کہا۔ میں خود بھی تب تک تشویش میں مبتلا ہو چکا تھا۔ وہ کبھی اس طرح ناراض نہیں ہوتی تھی بلکہ ایک سال میں وہ کبھی مجھ سے ناراض ہوئی ہی نہیں تھی اور میں نے کوئی پہلی بار تو اس کے سامنے گرل فرینڈز کا ذکر نہیں کیا تھا، میں اکثر کرتا تھا اور وہ صرف مسکراہٹ کے ساتھ سب کچھ سن لیتی تھی پھر اب کیا ہوا تھا؟

''تم جاؤ...... بھابھی کو منا کر لاؤ۔'' مونس نے مجھ سے کہا۔

''میں بھی ان سے ایکسکیوز کر لوں گا۔''

''ہاں مجھے لگتا ہے یہی کرنا پڑے گا، تم کھانا کھاؤ میں اسے لے کر آتا ہوں۔'' میں اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے باہر لاؤنج میں نکل آیا اور تبھی میں نے باہر گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز سنی...... میں ہکا بکا رہ گیا۔ کیا وہ گھر سے باہر جا رہی تھی؟...... اس وقت؟...... اور وہ بھی اتنی معمولی سی بات پر ناراض ہو کر؟...... میں تقریباً بھاگتا ہوا باہر پورچ میں آیا مگر تب تک دیر ہو چکی تھی اس کی گاڑی گیٹ سے باہر نکل چکی تھی اور چوکیدار گیٹ بند کر رہا تھا۔

میری تشویش میں اور اضافہ ہوا...... آخر وہ اس طرح گئی کہاں تھی؟

لاؤنج میں واپس آ کر میں نے فون اٹھا کر اس کے موبائل پر کال کی۔ مجھے امید تھی موبائل اس کے پاس ہی ہوگا۔ مگر مجھے خدشہ تھا کہ وہ میری کال ریسیو نہیں کرے گی...... میرا خدشہ ٹھیک ثابت نہیں ہوا۔ اس نے میری کال ریسیو کر لی تھی۔

''تم کہاں جا رہی ہو مہر؟'' میں نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

''میں ایک سڑک پر ہوں اور یہ سڑک میرے گھر جا رہی ہے۔'' مجھے شبہ ہوا کہ اس

کی آواز بھرّائی ہوئی تھی۔

''اور میں اپنے گھر سے دوبارہ کبھی تمھارے گھر نہیں آؤں گی۔''

''آئی ایم سوری مہر مجھے تم سے ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی...... مگر اتنی ناراضگی......'' اس نے میری بات کاٹ دی۔

''میں نے اپنی زندگی کے چار سال جس شخص کی موت کے سوگ میں گزار دیے اس کے نزدیک میں صرف ایک پریکٹیکل جوک تھی۔ ایک Bet...... بس۔'' وہ اب رو رہی تھی۔ مجھے اس کی بات کی سمجھ نہیں آئی۔

''کیا حق پہنچتا تھا تمھیں کسی کی پارسائی کو Judge کرنے کا؟...... تم کیا خدا تھے؟''

''مہر......'' میں نے کچھ کہنا چاہا۔

''میں نے ایک غلطی کی اور تم نے مجھے دوزخ میں پھینک دیا...... میں نے ایک گناہ کیا تھا مگر میں بُری لڑکی تو نہیں بن گئی تھی...... مگر تم نے پوری دنیا کی کالک میرے چہرے پر مل دی۔''

''تم کیا کہہ رہی ہو مہر؟'' میں تقریباً چلا اٹھا۔

''می می...... مہر نہیں...... می می۔'' وہ بلکتے ہوئے کہہ رہی تھی اور مجھے جیسے غش آ گیا۔ می می...... تو کیا وہ می می تھی...... وہی لڑکی...... اوہ میرے خدا۔

''ایک بھول...... صرف ایک بھول ہوئی تھی مجھ سے اور تم نے مجھے وہ بھی نہیں بخشی...... اللہ تو کیا کچھ نہیں معاف کر دیتا...... میں نے تمھارے لیے اللہ کو چھوڑ دیا Made a wrong choice...... I preferred you......'' وہ اب ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی اور میں کچھ بولنے کے قابل نہیں تھا...... تب مجھے شرمندگی نہیں تھی صرف شاک لگا تھا

''ہم سب انسان ہیں...... ہم سب سے غلطیاں ہو جاتی ہیں...... پھر تم نے میری غلطی پر میری ذات کو چوراہے میں تماشہ بنا کر کیوں رکھ دینا چاہا۔''

''مہر تم واپس آؤ...... ہم دونوں بیٹھ کر بات کرتے ہیں...... تمھیں مجھ سے جو بھی کہنا ہے گھر آ کر کہو...... میرے سامنے۔'' میں نے بالآخر اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''مجھے تم سے گھن آتی ہے مراد...... مجھے تو اپنے آپ سے بھی گھن آتی ہے...... میں...... میں تو کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی...... نہ تم کو...... نہ اللہ...... کسی کو بھی

نہیں...... میں تو اب دوبارہ اللہ کے سامنے تک جانے کے قابل نہیں رہی...... میں تو اس سے معافی تک نہیں مانگ سکتی...... میں تو اس قابل ہی نہیں رہی کہ......'' اس کی باتوں میں بے ربطگی تھی۔ یوں جیسے اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں رہا تھا...... ورنہ اللہ...... وہ اللہ کی بات کب کرتی تھی...... میرے اور اس کے بیچ اللہ کب آیا تھا......؟ کبھی بھی نہیں۔

''تم کہاں ہو؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا...... وہ صرف بچوں کی طرح بلک بلک کر روتی رہی۔

''مہر...... مہر...... میری جان......'' میں کچھ اور نہیں کہہ سکا۔ میں نے ایک زوردار دھماکہ سنا اور پھر مہر کی چیخ اور پھر خاموشی...... اور میں فون کا ریسیور ہاتھ میں لیے پاگلوں کی طرح چیختا گیا تھا۔ دوسری طرف شور تھا۔ آوازیں تھیں، بہت سی آوازیں صرف ''ایک آواز'' نہیں تھی۔ میں نے اس رات ''دنیا'' کو سناٹے میں اترتا پایا۔ بس ایک میں تھا۔ جو چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا۔

اور اس لمحے زندگی میں پہلی بار مجھے اللہ یاد آیا۔

❁......❁......❁

عورت، مرد اور میں

عورت

میں ایک عورت ہوں...... یہ میری وہ شناخت ہے جس پر سب متفق ہیں...... مگر بعض دفعہ مجھے بہت سے رشتوں کے حوالے سے بھی پکارا جاتا ہے جیسے ماں، بہن، بیٹی، بیوی، بہو، ساس وغیرہ وغیرہ...... میرے لیے استعمال ہونے والے لفظوں کا ذخیرہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا...... طوائف، کال گرل اور گرل فرینڈ جیسے لفظ بھی میرے لیے ہی مخصوص ہیں...... اور ہاں بعض دوسرے لفظ بھی ہیں جن سے مجھے پکارا جاتا ہے۔ مثلاً فساد کی جڑ، مصیبت، نحوست، فتنہ، پاؤں کی جوتی، اللہ میاں کی گائے، لعنت وغیرہ وغیرہ...... بعض ایسے لفظوں سے بھی مجھے پکارا

جاتا ہے جن کا اظہار کرنا اور انھیں یہاں تحریر کرنا مناسب نہیں ہوگا...... تحریر کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے اگر آپ مرد ہیں تو یقیناً آپ ان القابات سے واقف ہی ہوں گے جن سے آپ گھر سے باہر والی عورت کو پکارتے ہیں...... اس عورت کو جس سے آپ کا دور یا نزدیک کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا...... بس آپ اسے کہیں دیکھ لیتے ہیں...... ہوٹل میں، پارک میں، سڑک پر، یونیورسٹی میں، آفس میں...... کہیں بھی...... اور اگر آپ ایک عورت ہیں تو بھی آپ ان تمام الفاظ سے واقف ہی ہوں گی کیونکہ زندگی میں کبھی نہ کبھی آپ گھر سے باہر ضرور گئی ہوں گی اور پھر آپ نے اپنے لیے ایسا کوئی لفظ سنا ہی ہوگا۔

اب تک آپ یقیناً میرا ایک امیج بنا چکے ہوں گے (ان سب الفاظ، القاب اور ناموں کی روشنی میں)...... بہرحال ایک لفظ جو میرے لیے کبھی صحیح معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا اور جس لفظ کے حوالے سے میری شناخت کبھی نہیں ہوئی وہ ''انسان'' کا لفظ ہے...... مجھے ہمیشہ یہ حسرت رہی ہے کہ کاش کبھی مجھے کوئی ''تم عورت ہو'' کہنے کی بجائے ''تم انسان ہو'' کہے...... کبھی ایک بار...... بھول چوک سے۔

حیران ہو رہے ہیں نا آپ...... کہ آخر انسان لفظ میں ایسی کیا بات ہے کہ میں اپنے لیے یہ لفظ استعمال کروانا چاہتی ہوں...... انسان لفظ اشرف المخلوقات کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اگر کبھی کسی نے میرے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہوتا تو میں بھی خود کو دوسری مخلوقات سے برتر اور افضل سمجھتی...... چند لمحوں کی خوشی ملتی...... کچھ دیر سکون رہتا...... دوسری مخلوقات سے میری مراد جانوروں اور کیڑوں سے ہے...... اور ہاں درختوں اور پودوں کو بھی ان میں شامل کر لیں...... تو میں بس خود کو ان چیزوں سے بہتر سمجھتی...... مگر...... مگر آپ کبھی بھی یہ مت سوچیں کہ میں ان مخلوقات میں مرد کو بھی شامل کر رہی ہوں...... میں نے بتایا نا کہ میں خود کو صرف جانوروں، کیڑوں اور پودوں سے ہی برتر سمجھتی...... جانوروں میں خاص طور پر کتے سے...... کیڑوں میں خاص طور پر چیونٹی سے...... اور پودوں میں خاص طور پر گھاس سے...... مگر میں آپ کو ایک بار پھر یاددہانی کروا رہی ہوں کہ میں مرد کو ان مخلوقات میں شامل نہیں کر رہی...... میں ایسا کرنے کی جرأت ہی نہیں کر سکتی۔

عورت اللہ کی ایک ایسی تخلیق ہے۔ جس سے اس کی پوری زندگی میں کوئی بھی خوش نہیں ہوتا...... خوش رہنا تو درکنار کوئی اسے پسند تک نہیں کرتا...... مگر اس کے باوجود اسے برداشت کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے...... بالکل ویسے ہی جیسے زمین کتنی ہی بنجر، گرم اور کھردری کیوں نہ ہو کوئی بھی یہ خواہش نہیں کرتا کہ پیروں تلے سے زمین غائب ہو جائے کیونکہ قدم جمانے کے لیے پیروں کے نیچے کسی نہ کسی چیز کی ضرورت تو ہوتی ہے، چاہے وہ بنجر، گرم اور کھردری زمین ہی کیوں نہ ہو...... اس بنجر، گرم اور کھردری زمین پر کوئی خوشی سے پاؤں رکھے یا ناراضگی سے...... بہرحال پاؤں تو رکھنا ہی پڑتا ہے...... اور میں بھی پیروں کے نیچے آنے والی ایسی ہی چیز ہوں۔

آج سے بہت سال پہلے اللہ نے انسان کو بنایا یعنی مرد کو...... اس وقت اللہ نے مجھے اس کے ساتھ نہیں بنایا...... صرف مرد ہی کو بنایا...... پھر مرد کو علم عطا کیا اور سارے فرشتوں کو اسے سجدہ کرنے کو کہا...... میں اس وقت بھی نہیں تھی...... مجھے اللہ نے اس کے کافی دیر بعد بنایا اور عجیب بات یہ ہے کہ مرد کو اللہ نے مٹی سے بنایا۔ بے جان مٹی سے، بے رونق مٹی سے، ایسی مٹی جس میں خوشبو تک نہیں تھی لیکن مجھے اللہ نے مرد کی پسلی سے پیدا کیا۔ عجیب بات ہے نا کہ مجھے اس نے ایک ایسی چیز سے بنایا جسے اللہ نے علم کی طاقت دی جسے اللہ نے فرشتوں سے سجدہ کروایا۔ جس کو سجدہ کرنے سے انکار پر ابلیس ہمیشہ کے لیے معتوب قرار دے دیا اور جسے اللہ نے زمین پر اپنی خلافت کے لیے منتخب کیا۔ کیسی عجیب بات ہے نا کہ مرد کے لیے استعمال ہونے والا میٹریل بالکل عام اور معمولی تھا مگر مجھے بنانے کے لیے لیا جانے والا میٹریل اتنا اعلیٰ تھا۔ پھر بھی زمین پر مجھے کبھی وہ عزت، قدر اور اہمیت حاصل نہیں ہوئی جو مرد کو حاصل ہوئی۔

بہرحال جنت میں اپنی تخلیق کے بعد میں تو اس بات پر ہی بہت نازاں تھی کہ مجھے اللہ نے ایسے اعلیٰ میٹریل سے بنایا ہے اور مجھے اس مخلوق کا ساتھی بنایا ہے جسے اللہ نے زمین پر خلافت کے لیے منتخب کیا ہے۔ مجھے بنانے کا مقصد آرام اور سکون تھا عجیب بات ہے نا کہ میرے جیسی مخلوق کی تخلیق کا مقصد ہی آرام اور سکون تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے تکلیف کا عنصر ہی

میرے وجود میں نہیں رکھا تھا۔ میرے لیے یہ بہت فخر کی بات تھی۔

میں جنت میں اس مرد کی ہمراہی میں بہت خوش اور مسرور تھی جس کے لیے مجھے تخلیق کیا گیا تھا اور جسے زمین پر اپنی خلافت کے لیے اللہ نے منتخب کیا تھا۔ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میری تخلیق کا مقصد ہی آرام اور سکون پہنچانا تھا اور جنت میں اپنے قیام کے دوران میں نے پوری کوشش کی کہ اپنے ساتھی کو آرام اور سکون پہنچاؤں۔ اس کے لیے ایک اچھا ہم راز ثابت ہوسکوں۔ ایک اچھا ساتھی بن پاؤں۔ میرا خیال ہے میں اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب تھی کیونکہ میرے ساتھی کو کبھی مجھ سے شکایت نہیں ہوئی اور اس نے ہمیشہ مجھ سے پیار اور محبت کا سلوک کیا وہاں پہلی بار مجھے محسوس ہوا کہ وہ میری عزت بھی کرتا ہے اور اسے میری ضرورت بھی تھی اور اس احساس نے میرے اعتماد کو اور بڑھا دیا۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور بات قابل فخر ہوسکتی ہے کہ کوئی آپ سے محبت اور عزت کا سلوک کرتا ہے اور کسی کو آپ کی ضرورت بھی ہے۔ ان دنوں میں واقعی بہت خوش ہوا کرتی تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ ہم دونوں ہی بہت خوش ہوا کرتے تھے نہیں شاید یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مرد تو آج بھی بہت خوش ہے...... ہاں اگر کسی کی خوشی میں کمی آئی ہے تو وہ میں ہوں......

نہیں میرا خیال ہے آپ اس جملے کو اس طرح پڑھیں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ اگر کسی کی خوشی ختم ہوگئی ہے تو وہ میں ہوں۔

بہرحال میں آپ کو بتا رہی تھی کہ ان دنوں میں بہت خوش تھی۔ ہم دونوں جنت کے باغوں میں پھرا کرتے۔ وہاں کی خوبصورتی کو سراہتے اور وہاں کی آسائشوں سے لطف اندوز ہوتے اور پھر اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتے جس نے ہم پر اپنا اتنا رحم و کرم نازل کیا تھا۔ ہم دونوں کا خیال تھا کہ ہماری ساری زندگی اسی طرح پرسکون گزرے گی۔ کہیں کوئی مشکل نہیں آئے گی مگر یہ ہماری خوش فہمی تھی۔ ہم اپنی خوشیوں میں مگن ہو کر ابلیس کو بھول ہی گئے تھے۔

ابلیس کو تو آپ جانتے ہی ہیں یہ وہی تھا جس نے اللہ کے کہنے کے باوجود میرے ساتھی کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جب میری تخلیق کی گئی تو مجھے اس قصہ کا بھی پتہ چلا اور آپ یقین کریں کہ مجھے ابلیس کو دیکھے بغیر ہی اس سے شدید نفرت ہوگئی۔

اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ بھلا میری نفرت کی وجہ کیا تھی۔ آخر ابلیس نے مجھے سجدہ کرنے سے تو انکار نہیں کیا تھا۔ آپ صحیح سوچ رہے ہیں لیکن کیا نفرت کی یہ وجہ مناسب نہیں ہے کہ اس نے میرے ساتھی کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس ساتھی کو جسے اللہ نے علم سے نوازا تھا اور جسے زمین پر اپنی خلافت سونپی تھی اور...... اور جس سے میں شدید محبت کرتی تھی۔ ابلیس نے اسے سجدہ کرنے سے انکار کر کے اسے تکلیف پہنچائی جس کے آرام اور سکون کے لیے مجھے تخلیق کیا گیا تھا اور ان سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ابلیس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ مجھے حیرانی ہوئی تھی کہ کوئی اپنے خالق کی نافرمانی کیسے کر سکتا ہے۔

ہزاروں سال ابلیس اپنے خالق کے پاس رہا اس کی مہربانیوں اور عنایات سے مستفید ہوتا رہا اس کی حمد و ثناء بھی کرتا رہا اور پھر اللہ نے اسے ایک معمولی سا کام کرنے کے لیے کہا اور اس نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ یہ قسم کھائی کہ وہ ازل تک انسان کو بھٹکائے گا، گمراہ کرے گا اور اللہ کی نافرمانی پر اکسائے گا۔ ایسی نافرمانی پر جیسی نافرمانی پر وہ خود مغضوب ہوا تھا۔ کسی چیز سے نفرت کے لیے کوئی اس سے زیادہ وجوہات تو پیش نہیں کر سکتا۔ بس انہی سب باتوں کی وجہ سے مجھے ابلیس بے حد نفرت ہوگئی اور میں نے یہ بھی طے کیا تھا کہ میں اس کے جھانسے میں نہیں آؤں گی۔ میں کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گی اور آپ یقین کریں کہ جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا۔ میں نے اس کے فریب میں نہ آنے کے لیے اپنی پوری کوشش کی مگر ابلیس اتنا کمزور نہیں تھا جتنا میں نے اسے سمجھ لیا تھا۔ وہ جو اس نے خدا سے کہا تھا کہ میں ان پر بار بار وار کروں گا تو اس نے ایسا ہی کیا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ کب میں اس کے فریب میں آ کر گمراہ ہوگئی۔

اس میں میرا بھی اتنا قصور تو نہیں تھا اگر میرے ساتھی جیسا باعلم انسان اس کے فریب میں آ سکتا ہے تو پھر میں کہاں بچ سکتی تھی پھر آپ خود سوچیں کہ یہ کام میرے ساتھی کا تھا کہ وہ مجھے شیطان کے فریب میں آنے سے بچاتا آخر یہ وہی تو تھا جسے خدا نے علم کی نعمت سے نوازا تھا اور اپنا نائب بنایا تھا پھر میری نگہبانی کا ذمہ بھی تو اسی کے سپرد کیا گیا تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ مجھے شیطان کے چنگل سے چھڑانے کے بجائے وہ خود بھی شیطان کے فریب میں آ گیا۔

پھر ہم دونوں نے مل کر اللہ کی صریح نافرمانی کی جس درخت کے پاس جانے سے اللہ نے ہمیں منع فرمایا تھا ہم دونوں نہ صرف اس کے پاس گئے بلکہ اس کا پھل بھی کھایا پھر اللہ ہم سے ناراض ہو گیا اور سزا کے طور پر اللہ نے ہم دونوں کو زمین پر بھجوا دیا۔

یہ ہم دونوں کی وہ غلطی تھی جس کی ساری ذمہ داری مرد نے مجھ پر عائد کر دی اور یہ ایسی غلطی تھی جس کے لیے خدا نے مجھے معاف کر دیا مگر مرد نے آج تک معاف نہیں کیا۔ کتنی صدیاں گزر چکی ہیں مگر آج بھی مرد مجھے مورد الزام ٹھہراتا ہے کہ میرے بہکاوے میں آ کر اس نے اللہ کی نافرمانی کی...... آپ خود سوچیں میرے جیسی بے علم کیا۔ اتنی طاقتور ہو سکتی تھی کہ وہ مرد جیسے باعلم کو فریب دے سکتی۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ مرد ابلیس کے بجائے اس غلطی کے لیے مجھے الزام کیوں دیتا ہے میں نے تو کبھی اسے الزام نہیں دیا کہ مجھے شیطان کے بہکاوے میں آنے سے بچانے کے لیے اس نے اپنے علم کی طاقت کو استعمال کیوں نہیں کیا۔ مگر وہ کسی طرح بھی مجھے بخشنے پر تیار نہیں ہے اس کا خیال ہے کہ اگر میں اسے نہ بہکاتی تو اسے کبھی زمین پر نہ آنا پڑتا وہ ہمیشہ جنت میں ہی رہتا۔

کیا آپ اس کی اس بات پر یقین کر سکتے ہیں؟ ہو سکتا ہے۔ آپ کو اس کی اس بات پر یقین آ جائے مگر کیا آپ نے یہ سوچا ہے کہ خدا نے اسے زمین پر اپنا نائب کیسے بنا دیا جب مرد کے بقول اگر میرے بہکاوے میں نہ آنے پر وہ ہمیشہ جنت میں ہی رہتا تھا تو؟ ہاں سوچیں کہ خدا نے اسے جنت میں اپنا نائب کیوں نہیں بنایا۔ آخر زمین پر ہی اسے اپنا خلیفہ اور نائب کیوں کہا؟ شاید آپ اس سوال کا جواب نہ پا سکیں تو چلیں۔ میں آپ کو بتا دیتی ہوں جواب بہت آسان ہے اللہ نے فرشتوں سے اس کا تعارف یہ کہہ کر کروایا تھا کہ میں نے اسے زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہے۔

اس کا مطلب تھا کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آتا یا نہ آتا اس درخت کا پھل کھاتا یا نہ کھاتا۔ بہر حال ایک دن ایسا ضرور آنا تھا جب خدا نے اسے زمین پر بھیج دینا تھا۔ اسے بنایا ہی زمین کے لیے گیا تھا جنت کے لیے نہیں تو آخر پھر وہ مجھ پر الزام کیسے عائد کر دیتا ہے؟

زمین پر آنے کے ایک عرصہ بعد تک ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت دور رہے

مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ زمین پر کہاں ہے نہ ہی اسے یہ پتا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ میں بہت عرصے تک اسے تلاش کرتی رہی اور پھر بالآخر وہ مجھے مل ہی گیا ایک بار پھر سے ہم دونوں اکٹھے زندگی گزارنے لگے۔

زمین پر جنت جیسی آسائشیں نہیں تھیں مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی میرے لیے یہ کافی تھا کہ میں اس کے ساتھ ہوں اور اس کا دکھ اور سکھ شیئر کر سکتی ہوں اسے آرام اور سکون پہنچا سکتی ہوں۔ آخر مجھے اللہ نے اسی لیے تو بنایا تھا اور مجھے اس کے علاوہ اور کسی چیز میں دلچسپی تھی بھی نہیں۔ وہ خدا کی پسندیدہ مخلوق اور میں خدا کی پسندیدہ مخلوق کے لیے منتخب ساتھی۔

مگر پتا نہیں کیوں زمین پر اس کے ساتھ رہنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس کے دل میں میرے لیے پہلی جیسی قدر اور محبت نہیں ہے۔ کوئی چیز تھی جو ہم دونوں کے درمیان دیوار بن گئی تھی۔ اس نے مجھے معاف نہیں کیا تھا۔ میں نے بہت بار یہ جاننے کے باوجود کہ غلطی صرف میری نہیں تھی۔ وہ بھی اس میں برابر کا شریک تھا۔ یہ جاننے کے باوجود میں نے اس سے بہت بار معافی مانگی۔ اتنی التجا تو میں نے شاید اللہ سے بھی نہیں کی ہوگی جتنی مجھے اس سے کرنی پڑی، ہر بار وہ یہی کہتا کہ اس نے مجھے معاف کر دیا تھا مگر میں کبھی مطمئن نہیں ہوئی۔ اس نے دل سے مجھے کبھی معاف نہیں کیا۔ آج تک نہیں۔ عجیب بات ہے نا اللہ آپ کو معاف کر دیتا ہے مگر انسان نہیں۔

اس وقت پہلی بار میں بہت دل گرفتہ ہوئی مجھے یوں لگنے لگا کہ میں اسے آرام پہنچانے کے بجائے تکلیف پہنچانے لگی ہوں۔ مگر میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ زمین پر بھیجنے کا فیصلہ اللہ کا تھا۔ میں اللہ کے فیصلوں میں دخل اندازی نہیں دے سکتی تھی۔

وقت گزرتا رہا میں اپنی ناکردہ غلطی کی تلافی کے لیے دل و جان سے اس کی خدمت کرتی رہی مگر میری دل گرفتگی اور رنجیدگی میں کمی نہیں آئی۔ میری خدمت اس کا دل جیتنے میں ناکام کیوں تھی۔ تب پہلی بار میں نے خدا سے شکوہ بھی کیا میں نے خدا کو وہ سب کچھ بتایا جو میں محسوس کرتی تھی۔ اللہ کی سب سے بہترین صفت یہ ہے کہ وہ ہماری ہر بات سنتا ہے۔ خاموشی کے ساتھ، سکون کے ساتھ، پیار کے ساتھ، اس وقت بھی جب ہم مشتعل ہوتے ہیں

اور ایسی باتیں کہہ رہے ہوتے ہیں جو ہمیں کہنا زیب نہیں دیتا تب بھی اللہ ہماری باتیں سن رہا ہوتا ہے۔ اللہ کی دوسری بہترین صفت یہ ہے کہ وہ ہمارے زخموں پر مرہم رکھتا ہے میرے ساتھ بھی اللہ نے ایسا ہی کیا۔ اللہ نے صرف ایک مرد بنایا پھر تخلیق کا یہ کام مجھے سونپ دیا کس قدر بڑی بات ہے یہ کہ اللہ زمین پر نسل انسانی کو آگے بڑھانے کا عمل میرے سپرد کر دیا۔

میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا میرے لیے یہ اعزاز کی بات تھی کہ خدا نے مجھے اتنی بڑی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ میرا خیال تھا اب مرد یقیناً میری عزت اور قدر کرے گا کیونکہ اب میں بہت اہم ذمہ داری انجام دے رہی ہوں مگر ایسا نہیں ہوا دن بدن میں اس کی نظروں سے اور گرتی گئی۔ خدا کی جانب سے سونپی جانے والی اس بڑی ذمہ داری کے باوجود وہ میرے لیے اپنے دل میں کوئی خاص جذبات پیدا نہیں کر سکا پہلے کی طرح مجھے حقیر اور بے کار ہی سمجھتا رہا۔ میری خوشی آہستہ آہستہ ختم ہوتی گئی۔ مجھے یوں لگنے لگا کہ میں جو چاہے کرلوں۔ وہ مجھ سے کبھی خوش نہیں ہوگا۔

میں صبر شکر سے اپنی زندگی گزار رہی تھی۔ اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کر سکتی تھی اور تبھی اچانک ایک اور حادثہ ہو گیا۔ آپ ہابیل اور قابیل کو تو جانتے ہی ہوں گے۔ میری وجہ سے دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ میں بہت حیران تھی اگر مرد مجھے ناپسند کرتا تھا۔ اسے مجھ سے محبت نہیں تھی۔ اسے میری ضرورت نہیں تھی تو پھر میری ملکیت کے معاملے پر اسے اس طرح لڑنے کی بھی کیا ضرورت تھی۔ جس چیز کو آپ ناپسند کرتے ہیں۔ اس سے تو آپ جان چھڑا لینا چاہتے ہیں۔ اسے اپنے پاس رکھنے کے لیے لڑتے تو نہیں۔

مگر وہ میرے لیے نہ صرف لڑتا رہا بلکہ اسی لڑائی میں اس نے ایک دوسرے مرد کو قتل بھی کر دیا میرے لیے یہ ایک بہت بڑا شاک تھا۔ زمین پر ہونے والا پہلا قتل...... اور وہ بھی میری وجہ سے...... اور اگر میں پھر آپ سے یہ کہوں کہ اس میں بھی میرا کوئی قصور نہیں تھا تو کیا آپ مان لیں گے۔ آپ مانیں یا نہ مانیں۔ بہر حال میرا واقعی اس میں کوئی قصور نہیں تھا لیکن مجھے پچھتاوا اور خوف ضرور تھا کہ میری وجہ سے ایک بار پھر مرد نے ایک گناہ کیا ہے۔

قتل کرنے کے بعد مرد ایک بار پھر پچھتانے لگا۔ مجھے کوسنے لگا۔ میرے لیے اس

سے تکلیف دہ بات کیا ہو سکتی تھی کہ وہ پہلے کی طرح اب بھی مجھے یہی اس گناہ کا موجب قرار دے رہا ہے۔ اب بھی وہ شیطان کی بجائے مجھے اس کا ذمہ دار قرار دے رہا ہے۔ ابلیس کا ایک اور وار کامیاب ہو گیا تھا۔

اس بار بھی غلطی میری نہیں تھی مگر اس بار بھی میں نے اللہ سے بہت توبہ کی۔ صرف اللہ سے توبہ ہی نہیں کی بلکہ مرد سے بھی معافی مانگی۔ نتیجہ کیا ہوا ہمیشہ کی طرح اللہ نے مجھے معاف کر دیا اور مرد کے دل میں پڑنے والی گرہوں میں ایک کا اضافہ ہو گیا۔

اس کے بعد زندگی میرے لیے کبھی بھی آسان نہیں رہی۔ مرد نے میرے لیے حتی المقدور مشکلات کھڑی کیں۔ جی بھر کر ذلیل اور رسوا کیا۔ اپنی ہر غلطی کو میرے ذمہ لگاتا رہا اور میں ہر بار یہ سوچ کر حیران ہوتی رہی کہ وہ اپنے علم کی طاقت کو استعمال کیوں نہیں کرتا۔ ہر بات کو میرے سر کیوں منڈھ دیتا ہے۔

خدا نے اس کو زمین پر حکومت کرنے کے لیے بھیجا تھا اس نے زمین پر حکومت کرنے کے بجائے صرف مجھ پر حکومت کرنا اپنا فرض سمجھا اور یہ حکومت اس نے اپنے ہر روپ میں کی ہے چاہے وہ باپ کا روپ ہو یا بیٹے کا بھائی کا روپ ہو یا شوہر کا ہر روپ میں اس نے میرے لیے زندگی کو تکلیف دہ بنا دیا ہے۔

میری وہ ساری خوبیاں جو کبھی اسے پسند تھیں اب وہ ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ میرے ہر روپ میں اسے خود غرضی اور بے وفائی نظر آتی ہے۔ اس کا خیال ہے مجھے اگر کسی چیز میں دلچسپی ہے تو وہ روپیہ ہے اور یہ روپیہ اس کے پاس ہے اس لیے وہ اس سے مجھ سمیت میرا ہر جذبہ خرید سکتا ہے۔

میں حیران ہوتی ہوں کہ وہ کیسا خلیفہ اور خدا کا نائب ہے جو ایسے کام کر رہا ہے جنھیں خدا ناپسند کرتا ہے۔

کسی دور میں مجھے یہ فخر تھا کہ مجھے ایک ایسی مخلوق کے لیے چنا گیا ہے جو خدا کی پسندیدہ ترین ہے مگر اب اسی مخلوق کو دیکھ کر میں سوچتی ہوں کہ کیا اب بھی یہ مخلوق خدا کی پسندیدہ ترین ہے۔ فخر اور غرور کا وہ جذبہ بھی ختم ہو گیا ہے۔

دنیا پر اور کوئی مخلوق نہیں ہے۔جس نے مرد کی میرے جتنی خدمت اور اطاعت کی ہو اور دنیا پر اور کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے۔جس سے مرد نے میرے جتنی نفرت کی ہو۔میں نے اس کی اطاعت اور خدمت میں اپنے وجود کو مٹی بنا ڈالا ہے مگر اس کے باوجود وہ مجھ سے خوش نہیں ہے۔اسی خدمت اور اطاعت کے جوش میں میں نے اس کی ذمہ داریاں بھی اپنے کندھوں پر لینی شروع کر دی ہیں اور آج میں نے مرد کے حصے کی آدھے سے زیادہ ذمہ داریاں بھی اپنے سر لے لی ہیں۔صرف اس لیے کہ وہ آرام اور سکون سے رہے مگر اس کے باوجود وہ خوش نہیں ہے۔مجھ سے آرام اور سکون حاصل کرنے کے باوجود وہ مجھے بے کار اور حقیر سمجھتا ہے اور صرف یہی نہیں میری تحقیر کے لیے وہ نت نئے القابات مجھے دیتا رہتا ہے۔اس کا خیال ہے کہ زمین پر ہونے والے ہر جھگڑے میں میں کسی نہ کسی طرح شامل ہوں وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ اگر میں زمین پر نہ آتی تو زیادہ بہتر تھا پھر زمین پر ہونے والے فساد میں بہت کم آ جاتی۔

میرا خیال تھا کہ وہ کم از کم ایک ماں کے روپ میں تو میری عزت کرے گا کیونکہ تب اس کی تخلیق میں میرا کردار بھی شامل ہوتا ہے مگر ایسا نہیں ہوا، ماں کے روپ میں بھی اس نے میری کسی خدمت اور اطاعت کو نہیں سراہا بلکہ تب بھی ان چیزوں کو اپنا حق ہی سمجھا۔بیٹا بن کر بھی وہ مجھے ایک ناقص العقل چیز ہی سمجھتا رہا۔میری محبت اور شفقت کو میری کمزوری ہی سمجھتا رہا بیٹا بن کر بھی اس کے خیال میں میں کبھی بھی بے وفائی کی مرتکب ہو سکتی ہوں اور تب یہ اس کا فرض بن جاتا ہے کہ وہ اس خطا پر مجھے قتل کر دے۔آپ نے ایسی کتنی خبریں پڑھی ہوں گی جن میں بیٹے معمولی سے خطا پر ماں کو مار دیتے ہیں ماں بن کر بھی مجھے اس کی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ میں فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہوں اور آپ میری محبت کا عالم دیکھیں کہ میں ماں ہوتے ہوئے بھی بیٹی کا حق چھین کر اسے دیتی رہتی ہوں۔بچپن سے جوانی تک میں ہر چیز میں اسے بیٹی پر ترجیح دیتی ہوں اچھی خوراک سے اچھے لباس تک ہر چیز اسی کا حق بنتی ہے اور میں تو اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کرتی جب وہ اپنی بہن پر ہاتھ اٹھاتا ہے یا اسے جھڑکتا ہے۔بیٹی کے ساتھ ہر چیز میں بے انصافی کرتی ہوں اور یہ سب ایک مرد کے لیے کرتی ہوں۔اس کے باوجود میں

اس کے لیے کبھی اہمیت اختیار نہیں کرتی۔وہ ساری عمر مجھے اموشنلی بلیک میل کرتا رہتا ہے۔

اور بہن کے روپ میں بھی وہ میرے ساتھ یہی کرتا ہے۔بہن کے روپ میں بھی وہ مجھ پر اپنی حاکمیت جتانے کے جتن کرتا رہتا ہے۔اس روپ میں بھی وہ ہر معاملے میں مجھ سے قربانی چاہتا ہے اور اس سب کے باوجود بھی ایک معمولی شک کی بناء پر وہ مجھے قتل کرنے سے نہیں چوکتا، تب بھی اسے میرا کوئی ایثار، کوئی خدمت کوئی اطاعت یاد نہیں رہتی۔

اور پھر اگر وہ باپ ہو تو تب بھی میرے لیے اس کے اصولوں اور قوانین میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔کسی زمانے میں وہ مجھے پیدا ہوتے ہی زمین میں زندہ گاڑ دیا کرتا تھا۔اس کا خیال تھا کہ مجھ سے نجات پانے کا یہ بہترین طریقہ ہے پھر اس نے یہ طریقہ چھوڑ دیا اور کچھ نئے طریقے اپنا لیے۔اس کی ہمیشہ یہی خواہش ہوتی ہے کہ میں اس کے گھر میں بیٹی کے روپ میں کبھی نہ آؤں اور اگر بدقسمتی سے ایسا ہو ہی جائے تو پھر وہ بچپن سے بار بار مجھے مختلف طریقوں سے یہ جتاتا رہتا ہے کہ اس نے اپنے گھر میں رکھ کر مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔تب بھی وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتا بیٹے کو مجھ پر ترجیح دیتا ہے۔اسے ہر چیز میں مجھ پر فوقیت دیتا ہے۔

میں بچپن سے باپ پر جان نثار کرتی رہی ہوں۔اس کے گھر میں آنے سے لے کر جانے تک میں بھاگ بھاگ کر اس کا ہر کام کرتی رہتی ہوں صرف محبت کی ایک نظر اور شفقت سے بولے گئے چند لفظوں کے لیے مگر اسے کبھی اس کا خیال ہی نہیں آیا۔وہ میری پوری زندگی کو اپنے طریقے سے گائیڈ کرنا چاہتا ہے اور میں صرف اس کی خوشی کے لیے ہر بار اپنا دل مار لیتی ہوں۔مگر پھر بھی خاندان کی غیرت پر آنے والی زد کے شبہ پر وہ کبھی بھی کہیں بھی مجھے قتل کر سکتا ہے اور اس کام پر کوئی اس کا ہاتھ نہیں روکتا بلکہ ہر کوئی اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہے۔

اور اگر میں بیوی ہوں تو پھر تو شاید مرد کو مجھ پر ظلم کرنے کا لائسنس مل جاتا ہے۔ ایک عورت جسے اس کے تصرف میں دیا گیا ہے۔وہ آخر اس پر ظلم کیوں نہ کرے۔صبح سے لے کر رات تک کی جانے والی مشقت کا نتیجہ اکثر وہ الفاظ ہوتے ہیں جو مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

مرد ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ میں گھر میں رہ کر اس کے کمائے جانے والے روپے پر عیش

کرتی ہوں۔ آپ سوچیں کیا گھر کے اندر رہ کر عیش ہو سکتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ دنیا کا سب سے مشکل کام روپیہ کمانا ہے اور یہ مشکل کام وہ کرتا ہے عورت نہیں۔ وہ تو صرف اس روپیہ کو بے دردی سے خرچ کرنا جانتی ہے۔ مگر جو چیز وہ کبھی نہیں سوچتا وہ یہ ہے کہ میں وہ روپیہ کس پر خرچ کرتی ہوں اس گھر پر جس میں وہ رہتا ہے۔ ان بچوں پر جو اس کی اولاد نہیں اس خوراک پر جو وہ استعمال کرتا ہے۔ بیوی بن کر بھی میں ہر طرح اسے خوش کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہوں مگر وہ خوش نہیں ہوتا۔ ناراض ہو تو ایک دوسری عورت کو میری جگہ دے دیتا ہے۔ دوسری شادی کر کے بہت خوش ہو تو بھی میرے سامنے ایک باہر والی عورت ضرور شریک رکھتا ہے۔
عجیب بات ہے نا وہ عورت سے ناخوش ہے اسے عورت بے کار اور حقیر لگتی ہے۔ اسے عورت بے وفا لگتی ہے۔ اسے عورت روپیہ کی بھوکی لگتی ہے۔ اسے عورت فساد کی جڑ لگتی ہے مگر پھر بھی وہ اپنی زندگی میں عورتوں کو تبدیل کرتے رہنے کا عادی ہے اور جتنی زیادہ عورتیں ہوں اتنا ہی خوش رہتا ہے۔ وہ میری بے وفائی پر مجھے قتل کرنے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرے گا مگر طوائف کے پاس یہ جاننے کے باوجود جائے گا کہ وہ بے وفا ہے۔ اس پر یہ جاننے کے باوجود روپیہ خرچ کرے گا کہ وہ روپیہ کی بھوکی ہے۔ عجیب بات ہے نا مگر یہی سچ ہے۔

کیا اتنی ناقدری دنیا میں کسی اور چیز کی ہو سکتی ہے۔ میں اگر اس کی نہیں تو اس کے بچوں کی وفادار بن جاتی ہوں۔ آدھی زندگی مرد کی اطاعت میں برباد کرتی ہوں باقی کی زندگی اولاد کی خدمت میں اولاد کو بھوک سے بچانے کے لیے مجھے گھر سے باہر نکل کر سڑکوں پر آنا پڑتا ہے۔ مرد تب بھی میرا مذاق اڑاتا ہے مجھ پر آواز کستا ہے۔ اس کا خیال ہے یہ بھی میرا ایک ڈھونگ ہے آپ خود سوچیں کبھی بھوک بھی ڈھونگ ہو سکتی ہے اور بھوک بھی اگر بچوں کی ہو تو پھر؟ رزق کمانے کا کام مجھے اللہ نے کبھی نہیں سونپا۔ مرد نے اسے بھی میرے ذمے لگا دیا پھر رزق کمانے کے لیے اس نے مجھے طوائف اور کال گرل بھی بنایا۔ بیٹی بن کر میں نے بھائیوں اور باپ کے لیے اپنی پوری زندگی بھی ضائع کی اور ماں بن کر بچوں کے لیے پوری عمر کا جوگ بھی لیا مگر کہیں بھی میری کوئی قربانی ایسی نہیں جسے مرد نے سراہا ہو۔ اس نے میرے ہر روپ کو اس امیج کے سامنے کھڑا کر دیا جو اس کے ذہن میں فیڈ ہے۔

دنیا میں کسی دوسری مخلوق کو اتنا بے قدر نہیں کیا گیا جتنا مجھے کیا گیا ہے اور دنیا کی کسی دوسری مخلوق نے اپنے کندھے پر اتنی ذمہ داریاں نہیں اٹھائیں جتنی میں نے اٹھائی ہیں۔ میں نے تو چیونٹی سے بھی بڑھ کر بوجھ اٹھایا ہے۔ اولاد کی پیدائش سے پرورش مرد کی خدمت و اطاعت اور گھر سے باہر تک کا ہر کام مجھے کرنا پڑا ہے اور میں نے کیا ہے۔ اس کے باوجود مجھے سراہا نہیں جاتا۔ اس کے باوجود کہ مرد کو خوش رکھنے کے لیے میں نے اپنے آپ کو اپنے مقام سے گرا دیا ہے۔ پھر بھی کوئی مجھ سے خوش نہیں ہے۔

پیغمبروں کی ماں ہونے کے باوجود مجھے ناقابل اعتبار سمجھا جاتا ہے۔

دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھ سے خوش ہو۔ حتیٰ کہ اللہ بھی! مگر میں کسی کے سامنے اپنی کیا صفائی پیش کروں۔ میرے پاس تو کوئی وضاحت کوئی صفائی ہے ہی نہیں۔

میں اکثر سوچتی ہوں کہ آخر میری زندگی کا مقصد کیا ہے کیا صرف دوسروں کو آرام و سکون دینا اور دوسرے بدلے میں میرے لیے کیا کرتے ہیں؟ اور تب مجھے اللہ سے شکوہ ہوتا ہے کہ اس نے شاید واقعی مجھے اتنا حقیر بنا دیا ہے کہ زمین پر موجود انسان کو میری قدر ہی نہیں ہے۔ مگر شکوہ کرنے سے آخر ہوتا کیا ہے۔ شکوہ کرنے سے اللہ کی ناراضگی میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

آپ ہی سوچیں کیا کوئی مخلوق میرے جیسی ہے جو نہ چاہتے ہوئے بھی ہر ایک کو ناراض کرتی پھرے۔ مگر آخر آپ بھی کیوں سوچیں عورت کے بارے میں کوئی سوچتا تھوڑی ہے۔

مرد

میں ایک مرد ہوں اور میری شناخت کے لیے بس اتنا حوالہ ہی کافی ہے۔ بعض دفعہ مجھے رشتوں کے حوالے سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ مثلاً باپ، بیٹا، بھائی، شوہر، داماد وغیرہ وغیرہ مگر میری بنیادی شناخت ان تمام رشتوں پر حاوی رہتی ہے اور میری بنیادی شناخت میرا مرد ہونا ہی ہے۔

بہت سال پہلے زمین پر مجھے اتارتے ہوئے اللہ نے مجھے اپنا نائب اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ باقی تمام چیزوں کی نگہبانی کا کام اس نے مجھے سونپ دیا۔ چیزوں سے مراد جانور، پودے کیڑے اور عورت ہے اس وقت میں نے یہ کام بڑی خوشی سے اپنے ذمہ لیا تھا۔ میں جذبات

سے مغلوب ہو گیا تھا کہ اللہ نے مجھے اتنا بہتر سمجھا ہے کہ میرے ذمہ وہ کام لگا دیے جو پہلے اس نے اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ کام آسان نہیں تھا یہ کام بہت مشکل تھا اور مجھے اللہ سے یہ ہی شکوہ ہے کہ اس نے سب سے مشکل کام میرے ذمہ کیوں لگایا۔ پودوں کو صرف اپنی نشوونما سے غرض ہے جانوروں کو صرف اپنی پرواہ ہے کیڑوں اور عورت پر بھی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی مگر مجھے...... مجھے تو صرف اپنا ہی نہیں ہر ایک کا خیال رکھنا ہے۔ مخلوقات کی دیکھ بھال کرنی ہے عورت کی نگہبانی کرنی ہے دنیا میں حکومت کرنی ہے پھر لوگوں کو اللہ کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق بھی چلانا ہے اور اس کے بعد...... اس کے بعد پھر ہر ایک کی نفرت حاصل کرنی ہے چاہے وہ جانور ہوں دوسرے لوگ ہوں یا پھر عورت کم از کم مرد سے تو کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ ہر ایک کو شکایت ہے اور ان شکایتوں کی فہرست اتنی لمبی ہے کہ میں چاہوں بھی تو انھیں دہرا نہیں سکتا۔

دنیا کی خلافت تو خیر کیا کرنی تھی میں تو نگہبانی جیسے چھوٹے سے کام سے کسی کو خوش نہیں کر سکا۔

اللہ نے پہلے مجھے زمین پر نہیں اتارا تھا۔ بنانے کے بہت عرصہ بعد تک مجھے اپنے پاس ہی بے جان رکھا پھر جان بخش دی اور فرشتوں کو سجدہ کرنے کے لیے کہا۔ فرشتوں کا خیال تھا کہ مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں ہے جس کی بناء پر وہ مجھے خود سے برتر سمجھیں پھر اللہ نے مجھے اپنے علم کا مظاہرہ کرنے کے لیے کہا۔ آپ علم کی طاقت کو تو جانتے ہی ہیں۔ بہر حال یہ وہ تحفہ تھا جو مجھے جنت میں ہی عطا کر دیا گیا۔ خیر میں نے اللہ کی ہدایات کے مطابق ان چیزوں کے نام بتائے جن کے نام اس نے پوچھے تھے۔ فرشتے مجھ سے مرعوب ہو گئے اور پھر اللہ کے کہنے پر انھوں نے مجھے سجدہ کیا ماسوائے ایک کے جو ابلیس تھا۔

اس کا خیال تھا کہ مجھے مٹی سے بنایا گیا ہے اور وہ خود کو مجھ سے برتر سمجھتا تھا اس لیے اس نے مجھے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے دنیا کے قائم رہنے تک مجھے بھٹکانے اور گمراہ کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔

اللہ نے مجھے جنت کے باغوں میں آزاد چھوڑ دیا اور میرے لیے آسائشات کے

انبار لگا دیے ہاں بس مجھ پر ایک پابندی لگائی کہ ایک خاص درخت کے پاس جاؤں نہ ہی اس کا پھل استعمال کروں۔ میں جسے خدا نے علم کی طاقت سے آراستہ کیا تھا ایسی طاقت جس کے سامنے فرشتے بھی ٹھہر نہیں سکے تھے۔ وہ یقیناً اتنی چھوٹی سی پابندی کا تو خیال ضرور رکھتا مجھے ضرورت ہی کیا تھی کہ میں جنت کی ڈھیروں ڈھیر آسائشیں چھوڑ کر ایک ایسے معمولی سے درخت کے پیچھے پڑ جاتا جس کے پاس جانے سے اللہ نے میرے خالق نے مجھے خاص طور پر منع کیا تھا میں یقیناً ایسا کبھی نہ کرتا مگر میں نے کیا اور کیوں کیا اس کی بہت زیادہ تفصیل میں جانے کی تو خیر ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ سب جانتے ہی ہیں کہ میں نے ایسا کیوں کیا عورت کے کہنے پر......

میں نے آپ کو بتایا تھا کہ مجھے سجدہ نہ کر کے شیطان نے خدا کی نافرمانی کی اور پھر رہتی دنیا تک مجھے بھٹکانے کا ذمہ اپنے سر لے لیا مگر مجھے بھٹکانے کے لیے جو ہتھیار اس نے استعمال کیا وہ عورت کا ہتھیار تھا اور تب سے وہ یہی ہتھیار استعمال کرتا آ رہا ہے۔ اکثر یہ ہتھیار کارگر ثابت ہوتا ہے مگر بعض دفعہ یہ ہتھیار کند بھی ہو جاتا ہے یا آپ یہ سمجھ لیں کہ کند کرنا پڑتا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا ہے نا کہ مجھے علم جیسی طاقت خدا نے جنت میں ہی عطا کر دی تھی اور ظاہر ہے۔ اس طاقت کے ہوتے ہوئے مجھ پر قبضہ پانا شیطان کے لیے آسان کام نہیں تھا مگر عورت پر قبضہ پانا اس کے لیے بہت آسان کام ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں تمام مخلوقات میں سے عورت ہی سب سے زیادہ کمزور اور بے عقل ہے پھر شعور سے بھی عاری ہے۔ تو خیر شیطان نے عورت کو اپنا ازلی آلہ کار بنا لیا...... مجھے عورت کا تعارف کروانا تو یاد ہی نہیں رہا اب میں اس کے بارے میں بتاؤں گا نہیں تو آپ کیسے جانیں گے کہ عورت کیا ہوتی ہے۔

میں آپ کو بتا رہا تھا نا کہ مجھے خدا نے سب سے پہلے تخلیق کیا پھر بہت سی چیزوں کو میرے لیے تخلیق کیا ان میں سے ہی ایک عورت بھی ہے تو یہ بھی ان بہت سی چیزوں میں سے ایک چیز ہے جسے میرے استعمال اور آرام کے لیے بنایا گیا مگر عورت نے اپنی اوقات بھولنے کے بعد زمین میں وہ قیامتیں اٹھائیں جن کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ خیر اس کا بھی زیادہ قصور نہیں ہے میں نے آپ کو بتایا ہے نا کہ اس پر ہمیشہ شیطان کا غلبہ رہتا ہے۔ وہ وہی کچھ کرتی

ہے جو شیطان چاہتا ہے۔ اسی عورت کی وجہ سے مجھے جنت سے نکالا گیا...... مرد کو جنت سے نکال دیا گیا۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے اس تکلیف اور ذلت کا جو مجھے خدا کی نظروں سے گر کر ہوئی اور اس تکلیف اور ذلت کا باعث عورت تھی۔ وہ مجھے نہ بہکاتی تو میں اس درخت کا پھل کبھی استعمال نہ کرتا لیکن اس نے تو مجھے بہکانا ہی تھا کیونکہ اس کے اندر شیطان تھا اور شیطان مجھے آسمان سے زمین پر لے آنا چاہتا تھا۔

خیر عورت کے بہکاوے میں آنے کی وجہ سے مجھے سزا کے طور پر زمین پر بھیج دیا گیا اور سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ عورت کو بھی میرے ساتھ ہی زمین پر بھیجا گیا یعنی اللہ چاہتا تھا کہ ازل تک میں شیطان کا سامنا کرتا رہوں۔ زمین پر آ کر میں سنبھل گیا میں نے اپنے گناہ پر اللہ سے معافی چاہی اور اللہ نے مجھے معاف کر دیا۔ مجھے نہیں پتہ عورت نے اللہ سے معافی مانگی یا نہیں اور اگر مانگی بھی تو کیا اللہ نے اسے معاف کیا یا نہیں لیکن بہرحال مجھے اللہ نے معاف کر دیا۔ پھر میں بڑے سکون اور آرام سے زندگی گزارنے لگا۔ زمین پر جنت جیسی آسائشیں نہیں تھیں مگر ہو کیا سکتا تھا واپس جنت میں تو میں جا نہیں سکتا تھا۔ رہنا تو زمین پر ہی تھا اور جب زمین پر رہنا تھا تو پھر صبر شکر کے ساتھ ہی رہنا تھا۔ میں بھی صبر شکر کے ساتھ رہ رہا تھا۔ مگر پھر وہی عورت...... وہی شیطان میرا آرام اور سکون کہاں دیکھ سکتا تھا مجھے اللہ کی عبادت کرتے کہاں برداشت کر سکتا تھا اور اس بار اس نے پہلے سے بھی سنگین وار کیا۔

بہکانے کا سبب پھر عورت ہی تھی مگر اس بار اس نے مجھے زمین سے دربدر نہیں کیا اس بار اس نے میرے ہاتھوں ایک دوسرا مرد قتل کروا دیا۔ ایک بار پھر میں اللہ کی نظروں سے گر گیا۔ جتنا عرصہ مجھے پہلی غلطی کی تلافی کرتے ہوئے لگا تھا اتنے عرصہ کے بعد میں نے اس سے بھی بھیانک کام کیا۔ اگر عورت تنازعہ کی وجہ نہ ہوتی تو میں یہ قتل کبھی نہ کرتا۔ میں ایک دوسرے مرد کو قتل کیسے کر سکتا تھا اور پھر اس مرد کو جو میرا اپنا بھائی تھا مگر عورت نے مجھ سے یہ گھناؤنا کام بھی کروایا۔ اب تو آپ کو اندازہ ہو ہی رہا ہوگا کہ مجھے عورت سے اتنی نفرت اور چڑ کیوں ہے۔

ہمیشہ ہر بار جب بھی میں نے خدا کے قریب ہونے کی کوشش کی ہے یہ کسی نہ کسی

طرح بیچ میں آتی رہی ہے کبھی یہ میری محبت کا رخ اپنی طرف موڑ لیتی ہے اور کبھی مجھ سے کوئی ایسا گناہ کروا دیتی ہے جس کے بعد میں خدا کی نظروں سے گر جاتا ہوں...... معتوب ٹھہرتا ہوں اور یہ سب ہمیشہ سے ہوتا آ رہا ہے۔

خیر یہ تو ایسے ہی درمیان میں عورت کے تعارف کی ضرورت پڑی تو مجھے یہ چند لائنیں لکھنی پڑیں بہر حال میں تو آپ کو اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔ قتل کے بعد ایک بار پھر میں نے توبہ کی پھر یہ سلسلہ چلتا ہی رہا۔ عورت مجھ سے گناہ کرواتی۔ میں اپنے علم کی طاقت کو استعمال کرتا اور توبہ کر لیتا نہ وہ مجھے ہمیشہ کے لیے خدا کی نظروں سے گرا پائی نہ میں ہمیشہ کے لیے خدا کی نظروں میں قابل توجہ رہا۔ گرنے اور اٹھنے کا یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔

یہ تو تھی میری شاندار تاریخ کا ایک چھوٹا مختصر سا جائزہ۔ زمین پر کسی دوسری مخلوق کی تاریخ اتنی شاندار نہیں ہے۔ کسی دوسری مخلوق سے اللہ نے اتنی محبت نہیں کی۔ کسی دوسری مخلوق پر اتنی عنایات نہیں کیں اور کسی دوسری مخلوق پر اتنی ذمہ داریاں نہیں ڈالیں جتنی اس نے مجھ پر یعنی ''انسان''...... یعنی ''مرد'' پر عائد کی ہیں اور میں ہمیشہ سے ان ذمہ داریوں کا بوجھ احسن طریقے سے اٹھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

زمین پر موجود کسی مخلوق نے اتنی محنت، دیانتداری، محبت اور خلوص کے ساتھ اپنے کام نہیں کیے جتنے خلوص، دیانتداری، محنت اور محبت کے ساتھ میں نے اپنا کام کیا ہے۔ آج زمین پر جتنی ترقی آپ دیکھتے ہیں یہ سب میری کاوشوں کا ہی نتیجہ ہے۔ خدا نے اگر خلافت کی ذمہ داری مجھے سونپی تھی تو لاکھ آزمائشوں اور مشکلات کے باوجود میں نے اس ذمہ داری کو سرانجام دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر اس سب کے باوجود مجھے پسند نہیں کیا جاتا۔ میرے ہر کام پر اعتراضات کیے جاتے ہیں میری نیت پر شبہ کیا جاتا ہے۔ میرے راستے میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں اور سب سے تکلیف وہ بات یہ ہے کہ کوئی بھی مجھ سے خوش نہیں ہے حتیٰ کہ...... اللہ بھی۔

میں نے آپ کو بتایا ہے نا کہ اس کی بنیادی وجہ عورت ہے پتا نہیں کیوں اس نے

ہمیشہ سے مجھے گمراہ کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لی ہوئی ہے۔ ٹھیک ہے مانتا ہوں کہ اس پر شیطان حاوی ہو جاتا ہے ابلیس کا قبضہ ہے اس لیے وہ ایسے کام کرتی ہے یہ بھی مانتا ہوں کہ وہ ہر لحاظ سے کمزور ہے اس لیے بڑی آسانی سے ابلیس کے ہاتھ کا ہتھیار بن جاتی ہے مگر ان سب باتوں کے باوجود مجھے غصہ اس لیے آتا ہے کہ وہ شیطان کے سامنے مدافعت کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی اس نے کیوں خود کو مکمل طور پر شیطان کے قبضہ میں دے دیا ہے۔ مرد بھی تو ہے۔ وہ بھی تو شیطان کے سامنے مدافعت کی کوشش کرتا ہے۔ اس پر تو شیطان اتنی آسانی سے حاوی نہیں ہو پاتا آخر عورت ہی ہر بار اس کا شکار کیوں بنتی ہے اور یہ سب کچھ کرنے کے باوجود وہ مظلومیت کا ڈرامہ کرتی ہے۔ مکاری اور چلتر میں تو آپ جانتے ہی ہیں عورت کا کوئی جواب نہیں۔ وہ ہمیشہ میری (Authority) کو چیلنج کرتی رہتی ہے ہر چیز میں میرے مقابل آنے کی کوشش کرتی ہے اور یہ بات بالکل بھول جاتی ہے کہ مجھے خدا نے زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔

زمین پر بھیجے جانے کے بعد میں نے اپنے ہر رول کو بڑی ذمہ داری سے ادا کرنا شروع کیا چاہے وہ حکمران کا ہو باپ کا ہو بیٹے کا ہو یا پھر بھائی کا میں نے اپنی ذمہ داریاں ہمیشہ احسن طریقے سے ادا کرنی شروع کیں مگر عورت نے پھر بھی واویلا مچانا جاری رکھا کبھی اسے میرے حکمران کے کردار پر اعتراض ہوتا اس کا خیال تھا کہ مرد کی حکومت اسے اس کے حقوق سے محروم کر دیتی ہے اس پر ظلم کیا جاتا ہے اس کی فریاد نہیں سنی جاتی اس کے ساتھ دوسرے درجہ کے شہری کا سلوک کیا جاتا ہے یہ سارے الزامات غلط ہیں۔ عورت کو جتنے حقوق دینا ضروری ہیں وہ دیے جاتے ہیں کیا اس کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اس کی کفالت کا ذمہ ہمیشہ کسی مرد کے سر ہوتا ہے اسے ہر چیز گھر بیٹھے بٹھائے مل جاتی ہے پھر اسے اور کیا چاہیے زمین پر دوسری کوئی مخلوق ایسی نہیں اتاری گئی جسے عورت جتنی آسانیاں دی گئی ہوں مگر پھر بھی عورت خوش نہیں ہے۔ وہ چاہتی ہے اسے مرد جتنی آزادی دی جائے اسے مردوں جتنے حقوق دیے جائیں آپ خود ہی سوچیں کہ یہ انصاف ہے کہ عورت جو زمین پر کچھ نہیں کرتی اسے وہ سارے حقوق دے دیے جائیں جو مرد جس نے زمین پر ذمہ

داریوں کا سارا بوجھ اٹھایا ہوا ہے کو حاصل ہیں یقیناً یہ انصاف نہیں ہے اس لیے عورت کو چند حقوق سے محروم رکھنا ہی بہتر ہے۔ پھر عورت حکمران پر الزام عائد کرتی ہے کہ اسے کام کرنے اور اعلیٰ ملازمتوں کے حصولوں میں آزادی نہیں ہے۔

مجھے تو یہ سوچ کر ہنسی آتی ہے کہ عورت کیا کام کرے گی۔ عورت کو باتیں کرنے، فساد ڈلوانے اور مرد کو بہکانے کے علاوہ اور کون سا کام آتا ہے۔ اب کیا ان کاموں کے لیے حکومت باقاعدہ طور پر سرکاری ملازم بھرتی کر لے۔ پہلے عورت کا فتنہ گھر تک محدود ہے اسے سڑکوں پر آنے دیا جائے تو یہ اپنے فتنہ کو اور پھیلا دے گی اس کی وجہ سے مرد اپنے فرائض اور ذمہ داریاں ٹھیک طریقے سے انجام نہیں دے سکے گا اس لیے حکمران اگر عورت کو گھر کے اندر بند رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو ٹھیک کرتا ہے۔ گھر سے باہر اسے آنے بھی دیا جائے تو پھر اس کے مطالبات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پھر وہ شکایت کرتی ہے کہ مرد اسے تنگ کرتا ہے مرد اس کی زندگی اجیرن کر دیتا ہے آپ ذرا خود سوچیں کہ مرد جس کے پاس علم جیسی طاقت ہے اور جسے زمین پر خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے کیا وہ ایسی حرکت کر سکتا ہے۔ میں نے تو آپ کو پہلے ہی بتا دیا ہے کہ بہکانے کا کام ہمیشہ عورت سرانجام دیتی ہے اور گھروں سے باہر آنے کی خواہش بھی وہ اسی لیے کرتی ہے تا کہ مرد کو گمراہی میں مبتلا کر دے ورنہ وہ خوشی خوشی گھر کے اندر کیوں نہیں رہتی۔

یہی نہیں عورت کو مرد کے باپ کے رول پر بھی اعتراض ہے اسے ہمیشہ یہی خوش فہمی رہتی ہے کہ وہ بیٹی کے روپ میں باپ کی جتنی اطاعت کرتی ہے مرد بیٹے کے روپ میں نہیں کر سکتا اور پھر اسے یہ شکایت ہو جاتی ہے کہ مرد باپ ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ ایک دوسرے مرد یعنی بیٹے کو اس پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ آپ خود سوچیں کیا ایک باپ اپنی اولاد میں تفریق کر سکتا ہے یقیناً نہیں لیکن ظاہر ہے بیٹیوں کو وہ سب کچھ تو نہیں دیا جا سکتا جو بیٹے کو دیا جا سکتا ہے کیونکہ جو کچھ بیٹے باپ کے لیے کر سکتے ہیں وہ بیٹیاں نہیں کر سکتیں مگر عورت اس بنیادی فرق کو سمجھ نہیں پاتی اور پھر مرد پر الزام تراشی شروع کر دیتی ہے۔

پھر یہی شکایت اسے بیٹے اور بھائی سے بھی ہوتی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ بیٹے اور

بھائی بھی باپ کی طرح بہت روک ٹوک کرتے ہیں بہت پابندیاں لگاتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا ہے تا کہ مرد کو نگہبان بنا کر بھیجا گیا ہے اور نگہبان کا ایک کام پابندیاں لگانا بھی ہے۔ عورت جیسی ناقص العقل مخلوق اپنے اچھے برے سے کیسے واقف ہو سکتی ہے اس پر پابندیاں نہ لگائی جائیں تو وہ مرد کے لیے رسوائی کا باعث بنتی ہے۔

عورت کہتی ہے کہ مرد اسے تعلیم حاصل کرنے سے روکتا ہے۔ دراصل عورت تعلیم حاصل کر کے مرد کی برابری کرنا چاہتی ہے۔ اس کے شانہ بہ شانہ چلنا چاہتی ہے مگر میں اتنا احمق تو کبھی نہیں کہ عورت کو تعلیم یا دوسرے معنوں میں علم جیسی نعمت حاصل کرنے دوں میں نے آپ کو بتایا تھا کہ یہی وہ چیز ہے جس کی بنیاد پر مجھے فرشتوں نے سجدہ کیا تھا اور اللہ نے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا تھا اب یہ نعمت عورت بھی حاصل کر لے گی تو وہ تو میرے لیے اور بھی خطرناک ہو جائے گی اس لیے میں عورت کو تعلیم حاصل کرنے سے روکتا ہوں اور میرا خیال ہے ایسا کرنا ضروری بھی ہے۔

باپ، بیٹے، بھائی اور شوہر کے روپ میں جتنی محنت کرتا ہوں آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اپنے خاندان کے لیے روزی کمانا سب سے مشکل کام ہوتا ہے اور یہ مشکل کام اللہ نے میرے ذمہ لگا دیا ہے کڑکڑاتی سردی ہو یا چلچلاتی گرمی مجھے صبح سے رات تک گھر سے باہر رزق کی تلاش کرنی ہوتی ہے۔ کبھی مزدور بن کر کبھی کسان بن کر اور کبھی کسی اور روپ میں مگر ہر روپ میں محنت مرد کو ہی کرنی پڑتی ہے اور مرد یہ سب اپنے خاندان کے لیے کرتا ہے۔ بیوی اور بچوں کے لیے یا پھر ماں اور بہن بھائیوں کے لیے یا پھر خود سے متعلقہ دوسرے لوگوں کے لیے اور اس کی ساری عمر اسی محنت میں گزر جاتی ہے۔ وہ جوانی سے بڑھاپے کا سفر طے کر لیتا ہے مگر محنت اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی نہ اس کی اولاد اس سے خوش ہوتی ہے نہ ماں باپ اور بہن بھائی اور نہ ہی بیوی۔ ہر ایک کی شکایتیں اپنی جگہ قائم رہتی ہیں۔

اولاد کو باپ کی قربانیاں نظر نہیں آتیں نظر آتا ہے تو صرف ماں کا ایثار۔ بہنوں کو بھائی کی مشقت کا احساس نہیں ہوتا احساس اگر ہوتا ہے تو صرف بہنوں کی وسعت قلبی کا۔ ماں

کو بیٹے کی جدوجہد یاد نہیں رہتی یاد رہتی ہے تو صرف بیٹیوں کی خدمت۔

دنیا میں خدا نے مجھے جتنے کردار ادا کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ سب کردار ادا کرنے کے باوجود میں کسی کو خوش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ بعض دفعہ یوں لگتا ہے جیسے میں نے اپنی زندگی کو ضائع کیا ہے اور وہ بھی ان لوگوں کے لیے جنھیں میری پرواہ ہے نہ میری ضرورت

بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مجھے عورت پر بے تحاشہ رشک آتا ہے زمین پر کچھ نہ کرنے کے باوجود وہ کتنی مطمئن، پُرسکون اور خوش ہے۔

اولاد اس کی ماں، باپ ان کے بہن بھائی اس کے حتیٰ کہ سڑکوں پر وہ کسی سے مدد مانگے تو وہ بھی اسے فوراً صرف اس لیے مل جاتی ہے کہ وہ عورت ہے اور ایسا اگر مرد کرے تو......

وہ روئے تو لوگوں کو فوراً اس پر ترس آنے لگتا ہے حالانکہ وہ مکر کر رہی ہوتی ہے میں روؤں تو کسی کو ترس نہیں آتا اور لوگ سمجھتے ہیں کہ میں مکر کر رہا ہوں حالانکہ مرد تو بڑی مجبوری میں ہی روتا ہے۔ وہ حقوق نہ ملنے کا واویلا کرتی رہتی ہے پھر بھی اسے کسی قطار میں کھڑا نہیں ہونا پڑتا۔ سارے مردوں کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسی کا کام کیا جاتا ہے۔ میں کتنا ہی مجبور کیوں نہ ہوں قطار میں کھڑا ہوا کوئی شخص مجھے اپنی باری کے بغیر آگے بڑھ کر اپنا کام نہیں کرنے دے گا۔ وہ سفر کر رہی ہو تو اسے کھڑا نہیں ہونا پڑتا کوئی نہ کوئی اس کو جگہ دے ہی دیتا ہے۔ مگر میرے ساتھ یہ نہیں ہوتا۔ مجھے بعض دفعہ کرایہ دے کر بھی کھڑے ہو کر ہی سفر کرنا پڑتا ہے۔

ایسی رعایات اور مراعات کی ایک لمبی فہرست ہے جو عورت کو میسر ہیں اور پھر بھی ان کا واویلا ختم ہی نہیں ہوتا اور آپ ذرا یہ سوچیں کہ اسے زمین پر فساد ڈالنے مرد کو گمراہ کرنے اور شیطان کا آلہ کار بننے کے باوجود یہ سب کچھ حاصل ہے اور میں...... زمین پر سب کچھ صحیح طریقے سے کرنے کے باوجود میں مشکل میں گرفتار ہوں اور رشک کی یہ کیفیت پھر حسد میں نہ بدلے تو اور کیا ہو۔ ہاں ٹھیک ہے میں عورت سے حسد کرتا ہوں کیونکہ مجھے لگتا ہے اسے بہت سی ایسی چیزیں حاصل ہیں جن کی وہ مستحق نہیں ہے اور بہت سی ایسی چیزوں کے لیے اسے سزا نہیں مل رہی جس کے لیے اسے سزا ملنی چاہیے اور میں چونکہ خدا کا نائب اور خلیفہ ہوں اس

لیے میں اسے سزا دینے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ عورت کے بغیر زمین پر کون سے کام رک جاتے ہیں کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ خدا عورت کو نہ بناتا اس کی بجائے اس سے بہتر کوئی دوسری مخلوق بنا دیتا۔ ایسی مخلوق جو زمین پر میرے بوجھ کو کم کرتی اور میری مدد کرتی۔ پھر یہ زمین بھی جنت کا ایک ٹکڑا بن سکتی تھی مگر ایسا نہیں ہوا اللہ نے عورت کو ہی بنایا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمین جہنم بن گئی اور صرف زمین ہی نہیں بلکہ میری زندگی بھی۔

عورت نے میرے ہر احسان کو فراموش کر دیا میری کسی عنایت کو یاد نہیں رکھا۔ وہ اپنی پوری زندگی صرف ایک کام پر صرف کرتی ہے اور وہ کام اپنے سے وابستہ مردوں کو نیچا دکھانا اور ذلیل کرنا ہے چاہے وہ مرد اس کا باپ ہو، بیٹا ہو، بھائی ہو یا پھر شوہر وہ سب کے ساتھ ایک ہی سلوک کرتی ہے اور یہ کام وہ بڑے کمال اور مہارت کے ساتھ کرتی ہے۔

اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ بعض دفعہ تو میں بھی دھوکا کھا جاتا ہوں۔ مجھے بھی اس کی مظلومیت پر ترس آنے لگتا ہے۔ مجھے بھی اس کے لفظوں پر اعتبار آنے لگتا ہے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ شیطان کی آلہ کار ہے اس سے اپنے کام میں اس کی مہارت کا اندازہ کیجئے۔

اور تب مجھے اللہ سے بڑا شکوہ ہوتا ہے کہ اس نے مجھ پر ذمہ داریوں کے اتنے پہاڑ کیوں لاد دیے اور اگر اس نے مجھ پر اتنی ذمہ داریاں عائد کرنا ہی تھیں تو پھر کم از کم مجھے زمین پر ہی اس کا اجر دیتا اور تب ہی میں سوچتا ہوں کہ شاید میں بھی بے کار زندگی گزار رہا ہوں۔ شاید میری زندگی کا بھی کوئی مقصد نہیں ہے شاید میرے ہونے یا نہ ہونے سے اللہ کو کوئی فرق نہیں پڑتا شاید اللہ کو میری کبھی ضرورت ہی نہیں تھی اور جب میں یہ سب سوچتا ہوں تو پھر مجھے یہ خیال بھی آتا ہے کہ اگر اللہ کو میری ضرورت نہیں تھی تو اس نے مجھے تخلیق کیوں کیا۔ اگر میرے بغیر بھی دنیا کے سارے کام بخوبی ہو سکتے تھے تو پھر اللہ کو مجھے زمین پر بھیجنا نہیں چاہیے تھا مگر پھر میں سوچتا ہوں کہ زمین پر تو میں اپنی غلطی سے آیا تھا ورنہ تو خدا نے مجھے جنت میں رکھا ہوا تھا اور پھر مجھے یہ خیال بھی آتا ہے کہ ہوسکتا ہے اگر میں عورت کے بہکاوے میں آ کر غلطی نہ کرتا تو آج تک جنت میں ہی ہوتا اور یہ بھی ممکن ہے میرا اصلی رول وہیں ہوتا۔

لیکن تب مجھے یہ خیال بھی آتا ہے کہ اگر میں زمین پر نہ آتا تو پھر زمین کا انتظام کیسے چلتا۔ کون آ کر وہ ساری ذمہ داریاں پوری کرتا جو میں کر رہا ہوں پھر میرے ذہن میں خیال آتا ہے کہ عورت تو...... اور آپ یقین مانیں میں اس کے آگے کچھ نہیں سوچتا۔ میں اس کے آگے کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔ حسد کی آگ اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ اس کے شعلوں میں مجھے عورت نظر ہی نہیں آتی صرف اس کا ہیولہ نظر آتا ہے اور ہیولوں کا کوئی نام نہیں ہوتا نہ ہی کوئی انھیں پہچانتا ہے۔

اور میں یہ سوچ کر خود کو تسلی دیتا ہوں کہ عورت جیسی کمزور اور ناقص العقل مخلوق خدا حکمرانی اور اپنی خلافت سونپنے کے لیے کبھی منتخب نہیں کر سکتا مگر آپ جانتے ہیں خدشات تو خدشات ہی ہوتے ہیں نا میں انھیں خدشات کی وجہ سے عورت کو اس طرح محکوم بنا کر رکھتا ہوں۔ اسے ذلیل کرتا رہتا ہوں اس کی تحقیر کرتا ہوں مگر یہ سب کرنے کے بعد بھی مجھے سکون اور قرار نہیں ملتا مجھے یہی لگتا ہے کہ عورت کا پلڑا اب بھی بھاری ہے اور تب ہی میں سوچتا ہوں کہ میری زندگی کا کیا مقصد ہے کیا میری زندگی کا مقصد عورت سے ایک ازلی اور ابدی جنگ ہے اور اگر ایسا ہے تو کیا میں نے اپنے رول کو بہت محدود نہیں کر لیا تو پھر میرا مستقبل کیا ہے۔ مستقبل ہے بھی یا نہیں یہ سوال میں پہلی بار اللہ سے نہیں آپ سے پوچھ رہا ہوں یہ جاننے کے باوجود کہ میری طرح آپ کے پاس بھی اس کا جواب نہیں ہے۔

❁......❁......❁

میں

میں ابلیس ہوں...... ویسے اس نام سے مجھے کم لوگ ہی جانتے ہیں، زیادہ تر لوگ مجھے شیطان کے نام سے جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی میرے اور بہت سے نام ہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں ہر روز لغت میں کتنے الفاظ کا اضافہ ہوتا رہتا ہے، اسی اعتبار سے میرے ناموں بھی اضانہ ہوتا رہتا ہے۔ بہر حال مجھے ان ناموں میں زیادہ دلچسپی نہیں ہے کیونکہ میں نام بھیۓ کام میں دلچسپی رکھنے والوں میں شامل ہوں...... ویسے بھی نام ایک بے معنی شے تو کام ہے اور وہ کیا کہتے ہیں گلاب کو جس نام سے بھی پکارو وہ گلاب ہی رہتا جو تو نے ہمیں سکول آف تھاٹ سے تعلق رکھتا ہوں۔

بہر حال یہ تو ایک بے مقصد سی بحث ہے جو میں نے خواہ مخواہ ہی چھیڑ دی حالانکہ مجھے تو تعارف کروانے کی ضرورت ہی نہیں تھی...... میرا تو نام ہی میری پہچان ہے مگر پھر بھی بعض دفعہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنے بارے میں بات کی جائے، لوگوں کو اپنی تاریخ سے آگاہ کرتے رہنا چاہیے۔ اس طرح وہ بہت سی باتوں سے واقف رہتے ہیں۔ تو آج میں بھی کچھ ایسے ہی موڈ میں ہوں۔

نام تو میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں، کام سے بھی آپ بخوبی واقف ہیں مگر پھر بھی میں اس پر آگے چل کر روشنی ڈالوں گا مگر ابھی آغاز کرتے ہیں میری تاریخ سے۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ میں خدا کی مخلوق میں شامل تھا۔ اس مخلوق میں جسے اس نے صدیوں سے اپنے پاس جنت میں رکھا ہوا تھا۔ اس مخلوق میں جو انسان کی آمد سے پہلے اسے سب سے زیادہ عزیز تھی۔ تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ میرا قیام شروع سے ہی جنت میں تھا۔

جب تک میں جنت میں رہا، دن رات خدا کی عبادت کرتا رہا۔ مجھے اس کے علاوہ اور کوئی کام تھا ہی نہیں اور یقین کریں کہ اگر کوئی اور کام ہوتا بھی تو بھی میں ہر کام چھوڑ کر خدا کی عبادت کرتا۔ ان دنوں مجھے خدا سے کچھ ایسا ہی عشق تھا۔ عبادت کو جنت میں موجود اور بھی مخلوقات کرتی تھیں مگر مجھے ہمیشہ یونہی لگتا تھا کہ جتنی محبت، عقیدت اور جانفشانی سے میں اللہ کی عبادت کر رہا ہوں کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنا عرصہ خدا کی عبادت کی۔ یہ یاد رکھنے والی بات ہی نہیں آپ خود سوچیں آپ اپنے خالق کے پاس ہوں۔ اس کی عبادت کر رہے ہوں تو پھر آپ وقت کا حساب کیسے لگا سکتے ہیں تو کچھ یہی حال میرا تھا۔ مجھے بھی یاد نہیں کہ میں نے کتنے سیکنڈ، کتنے منٹ، کتنے گھنٹے، کتنے دن، کتنے ہفتے، کتنے مہینے، کتنے سال، کتنی صدیوں اور کتنے زما[نے] اللہ کی عبادت کی اور صرف عبادت ہی نہیں کی، [ڈوب کر] اللہ کی عبادت کی۔ اپنا دل و جان [لگا کر] اس سے محبت کی۔

میرا خیال تھا کہ میری اس عبادت کی وجہ سے اللہ کے نزدیک میرا ا[یک مقام] بن گیا ہوگا۔ آپ خود سوچیں اتنی عبادت کے بعد میں اگر یہ توقع کر رہا تھا

یب خام
و کیا غلط کر ر

آپ بھی تو یہی کرتے ہیں پانچ وقت کی نماز بھی پڑھ لیں تو یہی توقع کرنے لگتے ہیں کہ اب آپ اللہ کے برگزیدہ بندوں میں شامل ہو گئے ہیں تو میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ میں بھی یہ توقع کرنے لگا تھا کہ میں اب خدا کے نزدیک اہمیت اختیار کر گیا ہوں مگر یہ میری سب سے بڑی بھول تھی لیکن اس وقت یہ بات میں نہیں جانتا تھا۔

تو خیر میں آپ کو بتا رہا تھا کہ میں نے صدیوں [ا]للہ کی عبادت کی اور جب میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب میں اللہ کے نزدیک اہمیت اختیار کر گیا ہوں اللہ نے مجھے ایک جھٹکا دیا۔

جی ہاں...... زبردست جھٹکا...... اور وہ جھٹکا آپ کی صورت میں دیا تھا یعنی انسان کی صورت میں۔

مجھے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب اللہ تم کو میرے سامنے اور سب کے سامنے لایا تھا اور اللہ نے ہم سب کو بتایا تھا کہ یہ انسان ہے اور اسے اللہ نے زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہم سب ہکا بکا رہ گئے تھے۔ ہم سب سے مراد جنات اور فرشتے۔ ہمیں توقع نہیں تھی کہ ہمارا پروردگار اتنا بڑا فیصلہ یوں اچانک کرے گا۔

بہت دیر تک سکتے میں رہنے کے بعد بالآخر فرشتوں نے پہل کی اور اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ کیا وہ اس انسان کو زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجے گا جو وہاں فساد پھیلائے گا۔ میں فرشتوں کی اس بات پر بڑا خوش ہوا کیونکہ یہ ایک بہت اہم پوائنٹ تھا۔ میرا خیال تھا۔ شاید اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ بدل دے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ تم وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں پھر اللہ نے ہم سے کچھ چیزوں کے نام پوچھے۔ اب مجھ سمیت سب سوچ میں پڑ گئے۔ وہ سوال اتنا انوکھا اور عجیب تھا کہ ہم جواب دے ہی نہیں سکتے تھے۔ ہمیں تو صرف عبادت کرنی آتی تھی۔ مگر اس دن جو کچھ اللہ ہم سے پوچھ رہے تھے وہ تو ہمیں آ ہی نہیں سکتا تھا ہم نے سوچنے کی بہت کوشش کی کہ شاید کہیں سے کوئی جواب بن پڑے۔ آخر کو اللہ نے ہم سے ایک سوال پوچھا تھا۔ جواب دینا تو ہمارے لیے ضروری تھا۔ خود میں نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر جواب ندارد۔

کچھ شرمندہ ہو کر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے جو تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ اس پر اللہ نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم

نہیں جانتے پھر اللہ نے خاموش کھڑے اس انسان سے بھی انہی چیزوں کے نام پوچھے۔

اس وقت میرا دل بے اختیار قہقہے لگانے کو چاہ رہا تھا۔ میں بے تحاشا خوش تھا۔ جن چیزوں کے نام آگ اور نور سے بنی ہوئی ہمارے جیسی مخلوق نہیں بتا سکتی تھی ان کا نام مٹی سے بنایا گیا انسان کہاں بتا سکتا تھا۔ میں یہ سوچ کر خوش تھا کہ جب اسے بھی جواب نہیں آئے گا تو پھر اللہ تعالیٰ اسے زمین پر اپنا نائب کبھی نہیں بنائیں گے اور اسے دوبارہ مٹی بنا کر زمین پر بکھیر دیں گے۔

مگر ایسا نہیں ہوا اس وقت ہماری آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے جب اس مٹی سے بنے انسان نے بہت اطمینان اور سکون کے ساتھ بڑی روانی سے ان تمام سوالات کے جواب دے دیے۔ میں آپ کو سچ بتاؤں ایک لمحے کے لیے تو میرا سانس رک گیا تھا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ مٹی سے بنا ہوا ایک انسان ان سوالوں کے جواب دے دے جن سوالوں کے جواب نور اور نار سے بنی ہوئی مخلوق بھی نہ دے سکی ہو۔

مگر یہ حیرت صرف ایک لمحہ کے لیے رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحہ میں جان گیا تھا کہ ان سوالوں کے جواب دینے کی صلاحیت انسان کے اپنے پاس نہیں تھی یہ اللہ کا خاص تحفہ تھا جو اسے عنایت کیا گیا تھا۔ یہ تو مجھے بہت بعد میں پتہ چلا کہ اس تحفہ کو علم کہتے ہیں مگر اس وقت مجھے انسان سے بے تحاشا حسد ہوا کہ اللہ نے کتنی آسانی سے اسے ایک اتنا بڑا تحفہ عطا کر دیا ہے۔

اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رو دوں۔ اتنی عبادت کرنے کے بعد بھی مجھے کچھ نہیں ملا اور انسان کو...... ایک منٹ ٹھہریے میں ذرا اپنے غصہ پر قابو پا لوں......

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اس وقت مجھے انسان سے نفرت ہو گئی تھی۔ شاید میں اس نفرت کا اظہار کبھی نہ کرتا مگر اس کے بعد جو کچھ ہوا اس نے تو مجھے آپے سے باہر کر دیا۔

آپ سوچ سکتے ہیں کہ اللہ نے آگ سے بنے ہوئے جنات اور نور سے بنے ہوئے فرشتوں کو مٹی سے بنے ہوئے انسان کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے کہا...... مٹی سے بنے ہوئے انسان...... آخ تھو...... میرا تو دل خراب ہوتا ہے یہ سوچ کر کہ مٹی سے بنے ہوئے......

خیر چھوڑیں میں آپ کو آگے بتاتا ہوں۔ تو جب خدا نے ہم سب کو مٹی سے بنے ہوئے انسان کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے کہا تو میں غصہ اور حسد سے پاگل ہو گیا۔ آج تک

میں خدا کو سجدہ کرتا آیا تھا۔ آپ کو تو اندازہ ہی نہیں کہ سجدہ کیا ہوتا ہے سجدہ تو وہ تھا جو میں خدا کو کیا کرتا تھا پورے دل و دماغ سے یہ مان لیا کرتا تھا کہ اللہ ہی میرا رب ہے اور اس کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہے جو اس کی ذات یا صفات میں شریک ہے پوری یکسوئی، پوری توجہ...... اور ہاں...... آپ مانیں یا نہ مانیں پوری محبت سے میں اللہ کو سجدہ کیا کرتا تھا اور اب اللہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں انسان کو سجدہ کروں۔

ٹھیک ہے اللہ چیزوں میں تفریق نہیں کرتا اس کے نزدیک سب برابر ہیں چاہے وہ آگ ہو پانی ہو نور ہو یا مٹی۔ وہ کسی قسم کے اسٹیٹس میں دلچسپی رکھتا ہے نہ چیزوں کو اس کے مطابق کیٹگرائز کرتا ہے۔ مگر میں یہ کیسے بھول جاتا کہ میں آگ سے بنایا گیا ہوں جو ہر حال میں مٹی سے برتر ہے۔ ٹھیک ہے اللہ کو ان چیزوں کی پرواہ نہیں کیونکہ وہ سبھی چیزوں کا خالق ہے مگر میں تو مخلوق میں شامل تھا میں کیسے ان چیزوں کی پرواہ نہ کرتا آپ اپنے آپ کو دیکھ لیں۔ یہ جو آپ امیری غریبی کے مسئلے پر خود کو برتر اور دوسروں کو کمتر سمجھتے ہیں تو وہ میرے والا مسئلہ بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ اس زمانہ میں اس میٹریل پر اسٹیٹس کی بنیاد ہوتی تھی جس میٹریل سے آپ کو بنایا گیا ہو۔

خیر تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ میں غصہ سے پاگل ہو گیا۔ صدیوں اللہ کی عبادت کرنے کے بعد اللہ نے زمین کی خلافت انسان کو دے دی۔ میں نے صبر کیا۔ علم کی نعمت دے دی میں کچھ نہیں بولا مگر اب اس کو سجدہ جیسی چیز میں شریک کر لیا میرا دل غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ مجھے اپنی عبادت پر بڑا ناز اور گھمنڈ تھا۔ آپ کہیں گے کہ عبادت پر ناز اور گھمنڈ نہیں ہونا چاہیے...... نہیں ہونا چاہیے مگر مجھے تھا۔ میں نے آپ جیسی عبادت نہیں کی تھی واقعی عبادت کی تھی اور اس کا نتیجہ انسان کی شکل میں میرے سامنے کھڑا تھا۔

میں نے خدا سے صاف انکار کر دیا کہ میں اسے سجدہ نہیں کروں گا کبھی سجدہ نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کو میرے انکار پر بہت غصہ آیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت سے نکلنے کا حکم دے دیا۔ ساتھ ہی میرے لیے عذاب کا اعلان کر دیا۔

تب میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ مجھے اتنی اجازت دے کہ میں ابد تک انسان کو بھی اسی طرح نافرمانی پر مجبور کرتا رہوں جس طرح انسان کی وجہ سے میں نافرمانی پر

مجبور ہو گیا تھا۔ اللہ نے میری درخواست قبول کر لی۔

اس وقت میں نے اللہ سے کہا کہ میں انسان پر بار بار وار کروں گا۔ اس کے آگے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، اوپر سے آؤں گا، نیچے سے آؤں گا، دائیں سے آؤں گا، بائیں سے آؤں گا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ بھی کہا کہ جب میں ایسا کروں گا تو تو ان میں سے زیادہ تر کو نافرمان پائے گا اور تب اللہ نے فرمایا تھا کہ جو نافرمانی کریں گے۔ وہ تیرے ساتھ ہی دوزخ میں جائیں گے مگر جو میرے بندے ہوں گے وہ تیرے کسی فریب میں نہیں آئیں گے۔

آپ یقین نہیں کر سکتے کہ میں اللہ کے اس فرمان پر حسد سے کس طرح جل بھنا تھا۔ اللہ کو کس قدر اعتبار اور اعتماد تھا انسان پر اور کتنی محبت سے اللہ نے کہا تھا۔ میرے بندے...... اُف میں بتا نہیں سکتا کہ کیسے میں اس وقت انسان کا خون کر دینا چاہتا تھا۔ میں صدیوں اس کی عبادت کر کے اس قابل نہیں ہو سکا تھا کہ وہ مجھ پر اعتبار کرتا اور انسان چند لمحوں میں اپنی تخلیق کے بعد اس کے اتنا قریب ہو گیا تھا کہ اللہ اس پر اپنے اعتماد کا ذکر یوں کر رہا تھا۔

میں نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ میں نے انسان پر خدا کے اس اعتماد کو ختم کرنا ہے اور اس دن سے لے کر آج تک میں انہی کوششوں میں مصروف ہوں۔

اللہ نے اس دن انسان کی تخلیق کا سلسلہ صرف مرد پر ہی ختم نہیں کیا بلکہ اس کے بعد اس کے ساتھی کے طور پر عورت بھی بنائی۔

وہ دونوں جنت کے باغوں میں پھرا کرتے اور میں انہیں گمراہ کرنے کے لیے منصوبے بناتا رہا۔ مگر اپنے کسی بھی منصوبے پر عمل کرنے سے پہلے میں نے ایک لمبے عرصے تک ان دونوں کو اپنی نظروں میں رکھا۔ ان کی ایک ایک عادت، ایک ایک حرکت نوٹ کرتا رہا۔ انہیں کون سی چیزیں خوش کرتی ہیں اور کون سی پریشان کر دیتی ہیں۔ کون سی چیز ان کی کمزوری ہے اور کون سی چیز ان کی مضبوطی۔ میں ہر چیز، ہر بات نوٹ کرتا رہا۔

ان دونوں کے درمیان اس زمانے میں اتنی دوستی نظر آتی تھی کہ مجھے حسد ہونے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ یک جاں دو قالب ہو اور ویسے یہ ٹھیک بھی تھا۔ آخر عورت کو مرد کی پسلی

سے ہی تو پیدا کیا گیا تھا۔

پہلی بار عورت کی تخلیق کے بعد جب میں نے عورت کو دیکھا تھا تو میں دنگ رہ گیا تھا۔ اس سے زیادہ مخلوق میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اور میرے غم و غصہ میں یہ سوچ سوچ کر اضافہ ہوتا گیا کہ یہ خوبصورت مخلوق مرد کے ساتھی کے طور پر تخلیق کی گئی ہے۔

پہلے میں عورت کی خوبصورتی سے متاثر ہوا تھا پھر آہستہ آہستہ مجھے اس میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبیاں نظر آنے لگیں۔ وہ رحم دل تھی، مہربان تھی، فیاض تھی، قربانی کے جذبے سے معمور تھی، سراپا ہمدردی تھی، ایثار کا پیکر تھی مگر یہ سب کچھ صرف اور صرف مرد کے لیے تھا۔ میرے حسد میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ آپ خود سوچیں آخر اللہ نے انسان پر نعمتوں کے ڈھیر کیوں لگا دیے اور ہر نعمت پہلے سے برتر، پہلے سے بہتر...... اور ایک میں تھا جس کا اللہ کو کبھی خیال نہیں آیا حالانکہ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں نے اللہ کی کتنی عبادت کی تھی۔

جب میں نے ان دونوں کا بہت اچھی طرح جائزہ لے لیا تو ایک دن میں ان کو پھانسنے کے لیے کسی ایک منصوبے کو سوچنے لگا۔ آخر کس طرح میں ان دونوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوتا؟

سب سے پہلے مجھے ان دونوں کے باہمی اعتماد کو ختم کرنا تھا انہیں ایک دوسرے سے بدگمان کرنا تھا۔ اس کام کے لیے میں نے بہت سے منصوبے بنائے اور بالآخر ایک منصوبہ میرے دل کو بھا گیا۔

میں جانتا تھا جنت میں ایک درخت ایسا ہے جس کے قریب جانے سے اللہ نے انسان کو منع فرمایا ہے اور میں نے سوچا تھا کہ میں انسان کو بہکا کر اسی درخت کے پاس لے جاؤں گا نہ صرف وہاں لے جاؤں گا بلکہ اس درخت کا پھل بھی کھانے پر مجبور کر دوں گا اور میں نے یہ سوچا تھا کہ یہ کام دونوں سے کرواؤں گا اور اس طرح کرواؤں گا کہ گناہ کرنے کے بعد دونوں ہی اپنے آپ کے بجائے دوسرے کو اس غلطی کے لیے قصوروار سمجھے اور پھر اس طرح دونوں کے درمیان موجود اعتماد اور دوستی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی۔

منصوبہ طے کرنے کے بعد میں نے دل و جان سے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ شروع شروع میں مجھے ناکامی ہوئی وہ دونوں کسی طور بھی میرے جھانسے میں آنے پر تیار نہ تھے

مگر میری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ میں مستقل مزاج اور ثابت قدم ہوں، جو طے کر لیتا ہوں وہ ہر قیمت پر کر گزرتا ہوں۔

تو میں نے اس معاملے میں بھی ہمت نہیں ہاری۔ ایک داؤ ناکام ہوتا تو دوسرا آزماتا۔ دوسرا کارگر ثابت نہ ہوتا تو تیسرے داؤ کو کام میں لاتا اور آخر کار میری محنت رنگ لانے لگی۔ وہ انسان جو پہلے میری بات سننے پر بھی تیار نہ تھا اب آہستہ آہستہ نہ صرف میری بات سننے لگا تھا بلکہ میری بات اس کے دل پر اثر بھی کرنے لگی تھیں۔ پھر ایک وقت وہ بھی آیا جب میں مکمل طور پر ان دونوں کے ذہنوں کو اپنے زیر اثر لے آیا تھا۔ دونوں وہی کر رہے تھے جو میں کہہ رہا تھا وہ کہہ رہے تھے جو میں چاہتا تھا اور پھر انھوں نے وہی کیا جس کا منصوبہ میں نے بنایا تھا۔ دونوں نہ صرف اس درخت کے پاس گئے بلکہ اس درخت کا پھل بھی کھایا۔ اس وقت میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی میں چھلانگیں لگا رہا تھا، چیخیں مار رہا تھا۔ میں نے انسان کو نافرمانی پر مجبور کر دیا تھا۔ اس انسان کو جسے خدا نے زمین پر اپنا نائب بنایا تھا۔

اب میں چاہتا تھا کہ اللہ ان کو بھی اسی طرح سزا دے جس طرح اس نے نافرمانی پر مجھے سزا دی تھی اور ایسا ہی ہوا۔ اللہ نے ان کی نافرمانی پر انھیں جنت سے نکال دیا۔ مجھے اس سزا پر بڑی مایوسی ہوئی کیونکہ مجھے یہ سزا بہت کم لگی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ خدا انسان سے زمین کی خلافت بھی چھین لے مگر ایسا نہیں ہوا اللہ نے انھیں صرف زمین پر بھیج دیا۔

میں بھی ان دونوں کے ساتھ ہی زمین پر آ گیا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ ایک بار پھر انھیں کسی ایسی نافرمانی پر مجبور کر دوں گا جس کی سزا کے طور پر اللہ انسان کو زمین کی خلافت سے محروم کر دے۔

زمین پر آنے کے بعد مجھے یہ دیکھ کر بڑی کوفت ہوئی کہ مرد اور عورت دونوں اللہ سے معافی مانگ رہے ہیں، توبہ کرنے میں مصروف ہیں۔ میں نے ان دونوں کی توجہ دوسری چیزوں کی طرف مبذول کروانے کی کوشش کی مگر میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

اللہ نے ان دونوں کو زمین پر بھیجتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ الگ بھیجا تھا اور وہ ایک دوسرے سے بہت دور تھے۔ مجھے اس وقت بڑی ہنسی آتی جب دونوں اللہ سے توبہ کرتے ہوئے آنسو بہا رہے ہوتے اور ساتھ ہی ان کو ایک دوسرے کا خیال آ جاتا۔ ایک

بات پر مجھے بڑا اطمینان تھا کہ میں مرد کے دل میں بدگمانی کا بیج بونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کم از کم اب وہ عورت پر کبھی بھی اعتماد نہ کرتا۔ ایک قابل اعتماد اور جان نثار ساتھی سے میں نے اسے محروم کر دیا تھا۔ اس کے دل میں اچھی طرح یہ بات بٹھا دی تھی کہ مرد کسی قسم کی غلطی سے پاک ہے یہ صرف عورت تھی جس کے بہکاوے میں آ کر وہ خدا کی نافرمانی کر بیٹھا ورنہ اس جیسی مخلوق جو علم کی دولت سے مالا مال تھی وہ غلطی کیسے کر سکتی تھی۔ ہر بار جب اسے میرا خیال آتا تو میں اسے اچھی طرح تسلیاں دے کر مطمئن کر دیتا کہ مرد میرے فریب میں آ ہی نہیں سکتا میں تو صرف عورت کو آلہ کار بناتا ہوں کیونکہ وہ کمزور اور ناقص العقل ہے۔ رفتہ رفتہ اسے یہ یقین ہو گیا کہ واقعی یہ عورت ہی ہے جو میری آلہ کار بنی ہوئی ہے۔

دوسری طرف میں عورت کے ذہن میں یہ بھی خیال پختہ کرتا گیا کہ مرد کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے وہ اسے بے کار سمجھتا ہے اور اسے اپنے گناہ کے لیے ذمہ دار سمجھتا ہے۔

زمین پر کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان دونوں کو ملا دیا بلکہ انھیں معاف بھی کر دیا مگر میرے لیے ابھی یہ حرف ابتداء تھی۔ کچھ عرصہ تک دونوں پُرسکون طریقے سے رہے۔ میری تمام کوششوں کو ناکام بناتے رہے اور زمین پر نسل انسانی کی پیدائش کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔

بہت سی ناکامیوں کے بعد بالآخر ایک بار پھر میرے ہاتھ ایک موقع لگا کہ میں مرد کو گناہ پر اکساؤں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ عورت کو بنیاد بنا کر ہابیل اور قابیل میں جھگڑا کروایا اور ایک کو دوسرے کے ہاتھ قتل کروا دیا۔ عورت کو اس بار بھی انوالو کرنا اس لیے ضروری تھا تاکہ مرد کے ذہن میں یہ خیال پختہ ہو جائے کہ عورت ہی اصل فتنہ ہے اور وہ فساد کی جڑ ہے اور میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

قتل کرنے کے بعد ایک بار پھر مرد نے پچھتانا شروع کر دیا۔ مگر خیر پھر تو میں وار پر وار کرتا گیا۔ پہلے میں سو وار کرتا تھا تو کہیں ایک وار جا کر کامیاب ہوتا تھا مگر ایک وقت وہ آ گیا کہ سو میں سے صرف ایک وار ہی ناکام ہوتا ہے۔

میں نے انسانوں سے وہ کچھ کروایا ہے جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ مگر آپ دیکھ لیں کہ تصور نہ کرنے کے باوجود بھی انسان وہی کچھ کرتا ہے جو میں کروانا چاہتا ہوں۔

میری کامیابی کی بنیاد وجہ تو میری پلاننگ ہی تھی اور میری پلاننگ ہمیشہ سے یہی تھی کہ میں عورت اور مرد کا باہمی رشتہ کمزور کروں۔ دونوں کے درمیان اعتماد ختم ہو جاتا اور شک اس کی جگہ لے لیتا تو میرا کام بہت آسان ہو جاتا اور میرا کام تو آپ جانتے ہی ہیں ناں۔

اس کے بعد تو کامیابیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو میرے حصے آیا اور اب تک آ رہا ہے لیکن صرف کامیابیاں ہی نہیں کچھ ناکامیاں بھی میرے حصے میں آئی ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن پر میں نے بڑا زور مارا مگر اللہ کی نافرمانی...... یہ کام انھوں نے نہیں کیا۔

پیغمبروں نے مجھے جتنا ذلیل و نامراد کیا کسی اور نے نہیں کیا۔ آپ کو یاد ہی ہے نا حضرت ابراہیم علیہ السلام...... میں کیا بتاؤں کس کس طرح میں نے انھیں اپنے بیٹے کی قربانی سے روکا تھا مگر وہ کسی طرح میرے فریب میں نہیں آئے اور پھر ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام...... انھوں نے میرے ساتھ کیا کیا۔ پھر انھیں کی نسل میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم...... یقین کریں پیغمبر تو اور بھی بہت سے تھے جنھیں میں نے بہکانے کی کوشش کی اور جنھوں نے مجھے دھتکارا مگر جس طرح انھوں نے دھتکارا...... وہ تو مانا پیغمبر تھے مگر ان کے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ان لوگوں کو بھی بہکاتے ہوئے مجھے دانتوں تلے پسینہ آ گیا مگر مجال ہے جو وہ ٹس سے مس ہو جائیں اور انھیں میں سے ایک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جنھیں دس فٹ دور سے دیکھ کر میں بھاگ جایا کرتا تھا۔

عورتوں کی بات کروں تو میری ناکامیوں کی فہرست وہاں بھی مختصر نہیں ہے۔ کہیں مجھے حضرت مریم علیہا السلام کا سامنا کرنا پڑا تو کہیں رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا...... کہیں حضرت آسیہ علیہا السلام میرے سامنے آئیں تو کہیں حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور پھر امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ ہر جگہ مجھے کامیابی نہیں ملی بعض جگہ ناکامی بھی میرے سامنے آتی رہی مگر ناکامی نے میرے حوصلے کو پسپا نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مجھے انسان پر چاہے وہ مرد ہو یا عورت پورا غلبہ حاصل ہے۔ ایسا غلبہ کہ میں جو چاہے ان سے کروالوں۔

مرد کے دل میں مسلسل عورت کے خلاف زہر بھرتا رہتا ہوں، عورت کے دماغ کو مرد سے بدگمان کرتا رہتا ہوں۔ مرد کے ہاتھوں عورت کی بے حرمتی کرواتا رہتا ہوں، عورت

کے ہاتھوں مرد کی بے عزتی کرواتا رہتا ہوں۔ باقی سارے کام بڑی آسانی سے ہو جاتے ہیں کیونکہ ایک ہی مخلوق سے تعلق رکھنے والے یہ مرد اور عورت اگر ایک دوسرے کے ویسے ساتھی بن جاتے جیسے اللہ نے انھیں بنانا چاہا تھا تو شاید میں اتنا کامیاب نہ ہوتا مگر میں نے سب سے پہلے ان کے اس رشتے پر ہی وار کیا اور آپ خود دیکھ لیں کہ آج میں کتنا کامیاب ہوں۔ شوہر اور بیوی آپس میں خوش نہیں ہیں، بہن اور بھائی کے درمیان جھگڑا ہے، ماں اور بیٹا آپس میں الجھ رہے ہیں، باپ اور بیٹی کو آپس میں شکایتیں ہیں اور یہ سلسلہ چلتا ہی جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ میں نے تو سڑک پر چلنے والے ایک دوسرے سے انجان مرد اور عورت کے درمیان بھی غلط فہمی اور نفرت کے بیج بو دیے ہیں۔

مرد گھر سے باہر نکلنے والی عورت کی تحقیر کرتا ہے اور میں گھر سے باہر نکلنے والی عورت کے ذہن کو کچھ اس طرح بنا دیتا ہوں کہ وہ اسی حلیے میں گھر سے باہر آتی ہے جو اسے اور قابل تحقیر بنائے، پھر آگے میں کچھ نہیں کرتا، سب کچھ خود بخود ہی ہو جاتا ہے۔

صدیوں پہلے انسان کو زمین کا خلیفہ دیکھ کر حسد اور جلن کی جو آگ میرے اندر بھڑکی تھی وہ آج بھی روشن ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ اب یہ آگ میرے دامن کو نہیں جلا رہی، انسان کو بھی راکھ کرتی جا رہی ہے۔ اللہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ آگ کا عذاب اس کے علاوہ اور کوئی نہیں دے سکتا۔ مگر میں نے انسان کے ہاتھوں...... جی بالکل آپ کے ہاتھوں یہ عذاب بھی دوسرے انسانوں کو دیا ہے۔ آپ بھولے تو نہیں ہوں گے نا جہیز کے مسئلے پر جلائی جانے والی عورتیں۔ مجھے کتنی ہنسی آ رہی ہے میں آپ کو کیا بتاؤں۔ انسان کو اللہ نے اب بھی اپنی خلافت سے نہیں ہٹایا مگر میں سچ بتاؤں انسان میں اب ایسی کوئی خوبی نہیں رہی ہے جو اسے خلافت کا اہل ثابت کر سکے اور یہ بات خود انسان بھی جانتا ہے۔ خود سوچیں جو مرد ایک خاندان کی نگہبانی صحیح طرح سے نہیں کر سکتا، وہ خلافت کیا کرے گا۔

مگر خیر چلیں۔ انسان کو ابھی بھی اسی خوش فہمی کا شکار رہنے دیں کہ وہ ابھی بھی اللہ کا پسندیدہ ہے اور وہ جو چاہے کرے اللہ اسے معاف کر دے گا۔ میں آپ کو بتاؤں اللہ ہر بار معاف نہیں کرتا اس کی ایک مثال تو میری صورت میں آپ کے سامنے ہے۔

تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ میری زندگی جتنی بامقصد مجھے آج محسوس ہوتی ہے، پہلے

کبھی نہیں نہیں۔ مجھے اپنی زندگی میں کسی خلا کا احساس نہیں ہوتا۔ میرا وجود اللہ نے آگ سے بنایا تھا اور میں نے یہ آگ اس کے پورے شر کے ساتھ آگے انسان کو منتقل کر دی ہے اور مسلسل کر رہا ہوں اور میرا ہر عمل مجھے پُرسکون کر رہا ہے۔ مگر مرد اور عورت کو میں نے زندگی کو خالی اور بے مقصد ہونے کا فریب اور جھانسا دیا ہے۔ پھر ان خلاؤں کو پُر کرنے کے لیے وہ کیا کیا کرتے ہیں۔ وہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔ آخر آپ ہی تو انسان ہیں۔

مگر اس سب کے باوجود کبھی کبھی مجھے خوف آتا ہے، اتنا خوف کہ میں راتوں کو سو نہیں سکتا اور وہ خوف صرف ان لوگوں کے بارے میں سوچ کر آتا ہے جنھیں اللہ نے ''میرے بندے'' کہا تھا اور میں جانتا ہوں بات میں اللہ سے بڑھ کر سچا کوئی اور نہیں۔ میں یہ بھی علم رکھتا ہوں کہ دنیا میں وہ بندے اب بھی ہیں۔ میری لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اور اگر......اگر...... وہ بندے بڑھنا شروع ہو گئے تو کیا ہوگا؟ کیا ہوگا؟ کیا ہوگا؟ بس پھر...... میرا خوف مجھے راتوں کو بے خواب اور دن میں بے قرار رکھتا ہے۔

مگر پھر مجھے آپ سب کا خیال آتا ہے ''آپ سب کا'' اور پھر میں ایک گہری سانس لے کر آرام اور سکون سے سو جاتا ہوں۔

پ کے لیے، بہت سی بددعاؤں اور نفرت کے ساتھ۔

آپ کا اپنا شیطان